اس سے اس طرح وابستہ رہے کہ دونوں لازم و ملزوم ہو گئے، ان کے ذریعہ قصبہ شاہ گنج اور قرب و جوار کے مواضع میں اصلاح حال اور تعلیم دین کی ترویج کا اچھا خاصا کام ہوا، ان کے پڑھائے ہوئے اور تربیت یافتہ سیکڑوں علماء و حفاظ موجود ہیں، اس کتاب میں ان کے ذاتی حالات اور ان کی علمی و دینی خدمات کے ہر گوشہ پر بڑے شگفتہ انداز میں روشنی ڈالی گئی ہے، امید ہے کہ یہ کتاب ہر طبقہ میں شوق سے پڑھی جائے گی، خاص طور پر دین کے عملی کام کرنے والوں کے لیے اس میں بڑا سبق ہے، البتہ اتنی بات ضرور کھٹکتی ہے کہ مولانا نے بالکل اپنی ذات سے وابستہ کر رکھا تھا، یہ چیز کسی ادارہ یا جماعت کے لیے جتنی مفید ہوتی ہے اس سے زیادہ مضر ہوتی ہے،

زندگی کے دو[۲] اہم واقعات۔ از قاری محمد بشیر الدین صاحب پنڈت، صفحات ۹۸

کتابت و طباعت بہتر، پتہ نظامی بک ایجنسی، بدایوں، قیمت ۱۲؍

قاری بشیر الدین پنڈت صاحب ایک دیندار اور صاحب ذوق، فاضل اور عربی اور فارسی کے ساتھ سنسکرت سے بھی پوری طرح واقف ہیں، چنانچہ پنڈت ان کے نام کا جز ہو گیا ہے، یہ متعدد علمی و تاریخی کتابوں کے مصنف ہیں، انھوں نے اس کتابچہ میں اپنی زندگی کے دو اہم واقعات کا بڑے دلچسپ انداز میں ذکر کیا ہے، ایک واقعہ حکومت کی طرف سے ان کو نیشنل ایوارڈ (قومی اعزاز) ملنے کا ہے، اور دوسرا واقعہ ان کے گھر میں رجنہ شیاطین کا اثر ہے، ان دونوں واقعوں سے اصلاً ان کے دوستوں اور تعلق رکھنے والوں کو زیادہ دلچسپی ہوگی، مگر دوسروں کے لیے بھی یہ واقعات غیر دلچسپ نہیں ہوں گے، قومی اعزاز کو اس حیثیت سے بھی انھوں نے قابل ذکر سمجھا ہے کہ یہ یو پی کے پہلے شخص ہیں جنھیں یہ ملا ہے اور پھر پنڈت صاحب کی کوشش کے بغیر ملا ہے، امید ہے کہ کتاب جس مقصد سے لکھی گئی ہے وہ پورا ہوگا۔

"م - ج"

جلد ۹۵ - ماہ شوال المکرم ۱۳۸۴ھ مطابق ماہ فروری ۱۹۶۵ء - عدد ۲

مضامین

مقالات

آثار علمیہ و ادبیہ

شذرات

بالآخر سر چرچل کو بھی پیام اجل آگیا، وہ اس صدی کی عظیم ترین شخصیتوں میں تھے، ان میں اتنے کمالات جمع تھے کہ مشکل ہی سے ایک انسان میں جمع ہوتے ہیں، وہ صحیح معنوں میں صاحب السیف والقلم بلکہ کچھ اس سے بھی زیادہ تھے، ایوان سیاست میں بے نظیر مدبر، عرصۂ رزم میں جنگ آزما سپہ سالار، میدانِ علم و ادب میں سحر طراز ادیب و خطیب، وہ اپنی قوم کے بہت بڑے محسن تھے، انھوں نے جتنی طویل مدت تک اپنے ملک و قوم کی خدمت کی اس کا موقع کم لیڈروں کو ملتا ہے، انھوں نے نوے سال کی عمر پائی اور ستر سال تک مسلسل کسی نہ کسی حیثیت سے خدمت کرتے رہے، وہ برطانوی قوم کے ناخدا تھے، انھوں نے ایسے نازک موقعوں پر اس کو ڈوبنے سے بچایا جب اسکی امید بہت کم رہ گئی تھی، گو وہ قدامت پرست طبقہ سے تعلق رکھتے تھے جس کا نقطۂ نظر برطانوی شہنشاہیت کی توسیع و استحکام اور دنیا میں اسکی بالادستی تھا لیکن وہ اتنے بڑے آدمی تھے اور انھوں نے اپنی قوم کی اتنی گوناگوں خدمات انجام دیں کہ ان کی ذات دنیا کے لیڈروں کے لیے نمونہ ہے جس سے ان کو سبق حاصل کرنا چاہیے۔

یہ پرچہ جب وقت ناظرین کے ہاتھوں میں پہنچے گا اس وقت جوبلی کی تقریب شروع ہو چکی ہوگی، ہماری دلی خواہش تھی کہ ہم اس موقع پر دارالمصنفین کے مخلصوں اور ہمدردوں کو زیادہ سے زیادہ تعداد میں مدعو کرتے، لیکن کچھ ایسی دقتیں پیدا ہوگئیں جن کا شروع میں وہم و گمان بھی نہ تھا، دارالمصنفین میں زیادہ مہمانوں کے قیام کی گنجائش نہیں ہے، اور اعظم گڈھ اتنا چھوٹا مقام ہے کہ یہاں نہ کوئی بڑا اور ستھرا ہوٹل اور نہ ایسے مکانات ہیں

جن میں معزز مہمانوں کو ٹھہرایا جا سکے، یہ دقت خیموں وغیرہ کے ذریعہ کسی نہ کسی حد تک حل ہو سکتی تھی لیکن غلہ کی راشننگ اور اسکی پابندیوں کی وجہ سے ہم اپنے مہمانوں کی حسب منشا مدارات بھی نہیں کر سکتے گو عام لوگ اب بھی چوری چھپے بڑی بڑی دعوتیں کرتے رہتے ہیں، لیکن دارالمصنفین ایسا نہیں کر سکتا، اور جوبلی میں حکومت کے جو ذمہ دار شخصیتیں آرہی ہیں وہ بھی اس کو پسند نہ کریں گی، اس لیے بہت محدود تعداد میں لوگوں کو مدعو کیا گیا ہے، پاکستان کے مخلصین کو بلانے میں اس دشواری کے علاوہ اور بھی پیچیدگیاں تھیں، اس لیے وہاں سے صرف چند مخصوص لوگوں کو بلایا گیا ہے جس کا ہم کو قلق ہے، ہم کو امید ہے کہ ہندوستان اور پاکستان کے جن مخلصین کو ہم نہ بلا سکے وہ ہماری مجبوریوں کا لحاظ کر کے ہم کو معذور سمجھیں گے، ہمارے اخلاص میں الحمد للہ کوئی کمی نہیں ہے۔

جنوبی ہند میں ہندی کی مخالفت نے جو نازک شکل اختیار کر لی ہے، وہ ہندی نوازوں کی تنگ نظری اور لسانی سامراجیت کا لازمی نتیجہ ہے۔ اگر انھوں نے دوسری زبانوں کے ساتھ رواداری اور وسیع القلبی کا ثبوت دیا ہوتا تو محض ہندی کو سرکاری زبان بنانے یا دفتری کاموں میں اس کے اجراء کا معاملہ ایسا نہ تھا کہ اس کی اتنی شدید مخالفت ہوتی لیکن ہندی والوں نے اپنی طاقت کے گھمنڈ میں دوسروں پر اس بھونڈے طریقہ سے ہندی کو مسلط کرنے کی کوشش کی کہ ان کو اپنی زبانوں کے متعلق اور دوسری ریاستوں پر ہندی کی بالادستی کا خطرہ پیدا ہو گیا، ان کے سامنے اردو کا حشر تھا، جو ہندوستان کی تمام زبانوں میں ہندی سے زیادہ قریب ہے، بلکہ یہ دونوں ایک ہی درخت کی شاخیں ہیں، اس کے باوجود ہندی پرست اس کو بھی برداشت نہ کر سکے، اور اس کو اس کے مرکز دلی اور اتر پردیش تک سے ختم کرنے کی مسلسل کوشش جاری ہے، اور اس کی تعلیم میں ایسی ایسی رکاوٹیں پیدا کی گئیں جس سے کچھ دنوں میں وہ خود بخود ختم ہو جائے۔

لیکن جنوبی ہند کی زبانوں کا معاملہ اس سے مختلف ہے، ان کے بولنے والوں میں اتنی طاقت ہے کہ وہ حکومت سے اپنا مطالبہ منوا سکتے ہیں، اس لیے انھوں نے اپنی زبان کے لیے حکومت سے رحم وکرم کی درخواست نہیں کی، وہ کسی حیثیت سے بھی اپنی زبان کے مقابلہ میں ہندی کی برتری ماننے کے لیے تیار نہیں ہیں، چنانچہ انھوں نے سرے سے ہندی کو سرکاری زبان ماننے ہی سے انکار کر دیا، اور دستور ہند سے اس کی دفعہ ہی بدلوانا چاہتے ہیں اور اس کے لیے ہر قربانی کے لیے آمادہ ہیں، اس لیے حکومت کو بھی ان کے مقابلہ میں دبنا پڑا اور وہ ان کی دلجوئی کرنے پر مجبور ہوگئی ہے۔

گو ہندی کے مقابلہ میں ہندوستان کی بعض دوسری زبانیں کہیں زیادہ ترقی یافتہ اور سرکاری زبان بننے کی اہل ہیں، لیکن اب ہندی سرکاری زبان بن چکی ہے، اس لیے اس کی مخالفت مناسب نہیں ہے، لیکن اس مخالفت کو خوش اسلوبی سے ختم کرنا خود حکومت اور ہندی کے نادان دوستوں پر موقوف ہے، اگر اب بھی وہ اپنی ذہنیت اور اپنا طرزِ عمل بدل دیں جس سے کسی زبان کی حق تلفی کا خطرہ باقی نہ رہے تو یہ مخالفت ختم ہو سکتی ہے، یہ اردو کا معاملہ نہیں ہے کہ اس کو ختم کرنے کی مہم برابر جاری ہے، اور اس کے حامی زبانی احتجاج کے علاوہ کچھ نہیں کر سکتے، دوسری زبان والے اپنی زبان کے لیے جان کی بازی لگا دیں گے اور ہندی نواز ذہنیت ہندوستان کو ٹکڑے ٹکڑے کر کے رکھ دے گی۔

مقالات

علامہ جلال الدین سیوطیؒ

از مولانا محمد عبد الحلیم صاحب چشتی فاضل دیوبند

متاخرین علمائے اسلام میں علامہ سیوطیؒ کو اپنی علمی خدمات کی بنا پر جو شہرت اور قبولیت حاصل رہی ہے وہ محتاج بیان نہیں، وہ نہایت باکمال ائمۂ فن میں سے تھے، فطرت کی طرف سے انکی ذات میں بہت سی خصوصیات اور خوبیاں ودیعت کی گئی تھیں، درس و تدریس، تصنیف و تالیف، افتاء و قضاء، رشد و ہدایت میں انھیں کمال حاصل تھا، علامۂ موصوف نامور مصنف، بلند پایہ مفسر، محدث، فقیہ، ادیب، شاعر، مورخ اور لغوی ہی نہ تھے، بلکہ اس عصر کے مجدد بھی تھے، علامہ موصوف کے دو نامور شاگرد شیخ عبد القادر بن محمد شاذلی مصری المتوفی ۹۳۵ھ اور شیخ محمد بن علی داودی مصری المتوفی ۹۴۵ھ نے ان کی مستقل سوانحعمریاں لکھی تھیں، جو زیور طبع سے آراستہ نہیں ہوئیں، بعد کے تذکرہ نگاروں نے ان کے حالات سے پورا اعتنا نہیں کیا، یہی وجہ ہے کہ تذکرہ کی کتابوں میں ان کے حالات نہایت اختصار سے ملتے ہیں، ہم نے اس مقالہ میں نہایت تفحص و تلاش کے بعد جو حالات و واقعات جمع کیے ہیں وہ ہدیۂ ناظرین ہیں۔

نام ونسب | عبد الرحمن نام، ابو الفضل[1] کنیت، جلال الدین لقب اور ابن الکتب[2] عرف ہے،

---

[1] مورخ نجم الدین محمد غزی شافعی المتوفی ۱۰۶۱ھ نے الکواکب السائرہ فی اعیان المئۃ العاشرہ، طبع بیروت

(باقی حاشیہ ص ۸۶ پر)

سلسلۂ نسب یہ ہے: عبد الرحمن بن کمال الدین[۱] ابی بکر بن محمد بن سابق الدین بن فخر الدین بن عثمان بن ناظر ابن محمد بن سیف الدین خضر بن فخر الدین ابی الصلاح ایوب بن ناصر الدین محمد بن ہمام[۲]، الخضیری[۳] الاسیوطی[۴] الشافعی،

(بقیہ حواشی ص ۸۵) جلد ۱ ص ۲۲۶ میں تصریح کی ہے کہ موصوف ایک مرتبہ اپنے استاد قاضی القضاۃ شیخ عز الدین احمد بن ابراہیم کنانی حنبلی المتوفی ۸۷۶ھ کی خدمت میں حاضر ہوئے، انھوں نے ان سے پوچھا کنیت کیا ہے، موصوف نے عرض کیا کچھ نہیں، شیخ کنانی نے فرمایا تمھاری کنیت ابو الفضل ہے، اور اپنے قلم سے یہ کنیت لکھ دی، پھر یہی کنیت مشہور ہوگئی۔

[۲] اس عرف کی وجہ بھی نہایت عجیب ہے، مشہور تذکرہ نگار شیخ محی الدین عبد القادر عیدروس المتوفی ۱۰۳۸ھ النور السافر عن اخبار القرن العاشر، طبع بغداد ۱۳۵۳ھ ص ۵۴ میں رقمطراز ہیں: علامہ سیوطی کے والد شیخ کمال الدین نے ایک مرتبہ اپنی بیوی سے کسی کتاب کو اٹھا کر لانے کے لیے کہا، وہ کتاب لینے کے لیے گئیں، اتنے میں درد زہ شروع ہوا اور انکی ولادت ہوگئی، اس لیے ابن الکتب عرف ہوگیا، مصنفین اسلام میں علامہ سیوطی ہی اس عرف میں منفرد و مشہور ہیں۔

(حواشی صفحہ ہذا) [۱] شیخ کمال الدین المتوفی ۸۵۵ھ شیخ الاسلام فقیہ شمس الدین محمد قایاتی المتوفی ۸۵۰ھ اور حافظ ابن حجر عسقلانی المتوفی ۸۵۲ھ کے تلمیذ، بلند پایہ ادیب، سحر طراز خطیب، نامور مدرس، مصنف اور اسیوط کے مشہور قاضی تھے، ان کے اثر و رسوخ کا یہ حال تھا کہ جب ۸۴۵ھ میں مستکفی باللہ ابو الربیع سلیمان المتوفی ۸۵۴ھ سریر آرائے خلافت ہوا تو اسکی بیعت کا محضر نامہ موصوف ہی نے مرتب کیا تھا، خلیفہ نے ان کو اپنا امام صلوٰۃ بھی مقرر کر دیا تھا، علامہ سیوطی کے خاندان میں علم کی خدمت ان ہی کے حصہ میں آئی تھی، موصوف کے حالات کے لیے دیکھو:

(۱) الضوء اللامع ج ۱، ص ۲۲، ۳۰، (۲) التبر المسبوک فی ذیل السلوک طبع بولاق مصر ۱۸۹۶ء ص ۳۵۶، ۳۵۷، (۳) بغیۃ الوعاۃ فی طبقات اللغویین والنحاۃ ص ۲۰۶ (۴) حسن المحاضرہ فی اخبار مصر والقاہرہ، طبع مصر ۱۲۹۹ھ ج ۱ ص ۲۵۱، ۲۵۲ (۵) نظم العقیان فی اعیان الاعیان، طبع نیویارک ۱۹۲۷ء ص ۹۵، ۹۶ (۶) شذرات الذہب ج ۷، ص ۲۸۴، ۲۸۵

[۲] شیخ ہمام الدین کا شمار وقت کے نامور صوفیہ میں تھا، علامہ سیوطی کا بیان ہے:

اما جدی الاعلیٰ ہمام الدین فکان من	میرے جد اعلیٰ ہمام الدین کا شمار مشائخ طریقت

(باقی حاشیہ ص ۸۷ پر)

ولادت و تعلیم و تربیت علامہ سیوطی یکم رجب ۸۴۹ھ مطابق ۳ اکتوبر ۱۴۴۵ء میں قاہرہ میں پیدا ہوئے، ناز و نعمت

(بقیہ حواشی ص ۸۶) اہل الحقیقۃ ومن مشائخ	اور اہل حقیقت میں تھا، ان کا تذکرہ صوفیہ
الطریق وسیاتی ذکرہ فی قسم الصوفیۃ	کے باب میں آئے گا۔

لیکن حسن المحاضرہ کے مطالعہ سے معلوم ہوتا ہے کہ "ذکر من کان لمصر من الصلحاء والزہاد والصوفیۃ" میں علامہ سیوطی سے ان کا تذکرہ رہ گیا ہے۔ ان کے علاوہ خاندان کے دوسرے افراد حکومت کے بڑے بڑے مناصب پر ممتاز ہوئے اور بعض نے تجارت بھی کی، گویا اس خاندان میں درویشی، امارت، تجارت اور علم سب جمع تھے۔

[۳] خضیر، بغداد میں ایک محلہ کا نام ہے، خضیری اسی طرف نسبت ہے، اس سے ثابت ہوتا ہے کہ یہ خاندان بغداد سے آکر مصر میں آباد ہوا تھا، علامہ سیوطی نے حسن المحاضرہ میں بصراحت لکھا ہے کہ ان کے جد اعلیٰ عجمی تھے، مورخ سخاوی اور عیدروسی نے علامہ سیوطی کی والدہ کو بھی ترکی کنیز بتایا ہے جس سے ان کے عجمی ہونے کی طرف اشارہ ہے۔

[۴] سیوط اور اسیوط مصر میں نیل کے غربی جانب ایک نہایت قدیم، بارونق اور زرخیز شہر ہے، سید مرتضیٰ بلگرامی کا بیان ہے:

قلت: اما المشہور علی الالسنۃ العامۃ	میں کہتا ہوں، عوام اہل سیوط کی زبان پر
من اہلہا سیوط کصبور ... وعلی	سیوط بر وزن صَبُور مشہور ہے اور خواص
الالسنۃ الخاصۃ اسیوط بالفتح	کی زبان پر اسیوط بالفتح ہے، یاقوت نے
وعلی الاخیر اقتصر یاقوت فی معجمہ ...	معجم البلدان میں موخر الذکر بیان پر اکتفا
قلت وقد دخلتہا وشاہدت	کیا ہے، میں یہاں دو مرتبہ گیا ہوں اور میں نے عجیب
من عجائبہا وہی فی سفح الجبل	غریب امور کا مشاہدہ کیا ہے، یہ مغربی جانب پہاڑ کے دامن میں
الغربی المشتمل علی اسرار وغرائب	واقع ہے، یہاں عجائب و غرائب دیکھنے میں آتے ہیں
الف فیہا الکتب ولہذہ المدینۃ	اسکے حالات میں کئی کتابیں لکھی گئی ہیں، خاتمۃ المتاخرین
تاریخ حافل فی مجلدین الف	فی سائر الفنون حافظ جلال الدین عبد الرحمن بن ابی بکر

(باقی حاشیہ ص ۸۸ پر)

میں پلے بڑھے، ان کے والد خلیفۂ وقت کے امام صلوٰۃ تھے، اس لیے ان کا نشو و نما قصر شاہی میں ہوا تھا،

علامہ سیوطی کا بیان ہے:

اما نحن فلم ننشاء الا فی بیتہ وفضلہ[1]

ہم قصر شاہی میں شاہ وقت کے سایہ شفقت میں پلے بڑھے۔

ابھی وہ پانچ برس کے تھے اور قرآن مجید سورۂ تحریم تک پڑھا تھا کہ پدر بزرگوار شیخ کمال الدین کا انتقال ہوگیا، شیخ موصوف کو فرزند دلبند کی تعلیم و تربیت کا خاص خیال تھا، اس لیے انھوں نے انتقال سے پیشتر اپنے دیرینہ دوست شیخ شہاب الدین بن الطباخ اور محقق ابن ہمام کو ان کی تعلیم و تربیت اور نگرانی کی وصیت کردی تھی، چنانچہ خورد و نوش کی کفالت اور نگرانی کا کام شیخ ابن الطباخ نے انجام دیا اور محقق ابن ہمام نے کم و بیش چھ برس تک ان کی تعلیم و تربیت کیجانب خاص توجہ کی، ان کو جامع شیخونیہ میں داخل کرایا[2]، جہاں کے اساتذہ نے ان کو محنت و محبت سے پڑھایا،

(بقیہ حاشیہ ص ۸۷)

الحافظ جلال الدین عبدالرحمن خاتمۃ المتاخرین فی سائر الفنون

السیوطی نے اس شہر کی دو جلدوں میں نہایت جامع تاریخ لکھی ہے۔

(تاج العروس، مادہ س، و، ط)

سید مرتضیٰ بلگرامی ثم الزبیدی نے اس کتاب کا نام نہیں لکھا، علامہ سیوطی نے خاص اسیوط کے حالات میں جو کتاب لکھی ہے اس کا نام مضبوط فی اخبار اسیوط ہے۔

(حواشی صفحہ ہذا) [1] ملاحظہ ہو تاریخ الخلفاء طبع قاہرہ ۱۹۵۲ء ص ۵۱۲

[2] محقق ابن ہمام کو شیخ کمال الدین نے قدیم تعلقات کی بنا پر ان کے فرزند علامہ سیوطی سے بڑی محبت تھی، وہ انکو پیار کرتے اور شفقت سے ان کے سر پر ہاتھ پھیرتے تھے۔ حافظ سید انور شاہ کشمیری المتوفی ۱۳۵۲ھ فیض الباری ج ۴ ص ۱۴۴ میں فرماتے ہیں۔

(باقی ۸۹ پر)

علامہ سیوطیؒ کا حافظہ نہایت قوی تھا، انھوں نے آٹھ برس کی عمر میں قرآن مجید حفظ کیا، پھر العمدہ المنہاج اور الفیہ ابن مالک وغیرہ کو یاد کیا، اور وقت کے نامور فرضی (ماہر علم میراث) شیخ شہاب الدین شارمساحی المتوفی ۸۶۵ھ سے علم فرائض کی تحصیل کی، شیخ علم الدین بلقینی المتوفی ۸۶۸ھ سے فقہ پڑھی، علامہ موصوف فرماتے ہیں

لازمتہ فی الفقہ الی ان مات[1]

موصوف کی وفات تک فقہ میں ان سے استفادہ کرتا رہا۔

شیخ شرف الدین یحییٰ مناوی المتوفی ۸۷۱ھ سے منہاج کا کچھ حصہ پڑھا اور شرح البہجہ کے چند سبق کا سماع کیا، تفسیر بیضاوی بھی ان ہی سے پڑھی، شیخ تقی الدین ابو العباس احمد شمنی المتوفی ۸۷۲ھ سے حدیث اور عربیت کی تعلیم پائی، چنانچہ ان کا بیان ہے:

سمعت علیہ قطعۃ کبیرۃ من المطول ..... ومن التوضیح لابن ھشام قرأۃ تحقیق وسمعت

میں نے مطول کے بڑے حصہ کا ان سے سماع کیا اور ابن ہشام کی توضیح بڑی تحقیق سے پڑھی، اور حدیث میں متعدد

(بقیہ حاشیہ ص ۸۸) کان الشیخ کمال الدین ابو السیوطی اوصی الشیخ ابن الھمام ان ینظر فی امر ابنہ ویتعاھدہ بعدہ فکان السیوطی فی حجرہ وکان الشیخ یمسح رأسہ

علامہ سیوطی کے والد ماجد شیخ کمال الدین نے شیخ ابن ہمام کو اسکی وصیت کی تھی کہ وہ ان کے بعد سیوطی کی دیکھ بھال اور نگرانی کرتے رہیں گے، اسلیے علامہ سیوطی کی علمی تربیت ابن ہمام کی آغوش میں ہوئی، وہ پیار سے انکے سر پر ہاتھ بھی پھیرتے تھے۔

علامہ سیوطی کو بھی شیخ موصوف سے خاص تعلق تھا، بغیۃ الوعاۃ (طبع مصر ۱۳۲۶ھ ص ۱۱) میں ان کے وصی ہونے کا خاص طور پر تذکرہ کیا ہے، ان کے الفاظ ہیں

کان احد الاوصیاء علی

موصوف میرے نگرانوں میں سے تھے۔

[1] حسن المحاضرہ ج ۱ ص ۱۸۹

وقرأت عليه في الحديث عدة اجزاء[1]

اجزاء کا ان سے سماع کیا اور پڑھا۔

شیخ محی الدین محمد بن سلیمان کافیجی المتوفی ۸۷۹ھ سے معانی و بیان، اصول و تفسیر کی تکمیل کی اور شیخ عبد القادر بن ابی القاسم انصاری مالکی المتوفی ۸۸۰ھ سے حدیث پڑھی، علامہ موصوف لکھتے ہیں:

قرأت عليه جزء الامالی لابن عفان[2]

میں نے موصوف سے امالی حافظ ابن عفان (المتوفی ۷۲۳ھ) کے چند اجزاء پڑھے۔

محقق دیار مصر شیخ سیف الدین محمد کمتری المتوفی ۸۸۱ھ سے کشاف، توضیح، تلخیص المفتاح اور رسالہ عضدیہ وغیرہ پڑھا ہے، جن نامور محدثین سے موصوف کو روایت حدیث کی اجازت حاصل ہے ان کی تعداد ڈیڑھ سو سے کم نہیں، جن میں شیخ صلاح الدین محمد ابی عمرو المتوفی ۷۸۰ھ کے آخری شاگرد شیخ ابن مقبل حلبی المتوفی ۸۷۱ھ جیسے نامور مسند وقت بھی ہیں، چنانچہ علامہ سیوطی نے تدریب الراوی میں سند عالی پر بحث کرتے ہوئے لکھا ہے کہ اس دور میں ایسی عالی سندیں جن میں رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم تک دس واسطے ہوں بہت ہی کم پائی جاتی ہیں، اور بطور مثال جو روایت نقل کی ہے وہ شیخ محمد بن مقبل کی سند سے جس کے الفاظ یہ ہیں:

لم يقع لنا باذن الله الا احاديث قليلة جدا في معجم الطبرانی الصغير اخبرني مسند الدنيا ابو عبد الله محمد بن مقبل الحلبی

(اس قسم کی چند) عالی اسناد حدیثیں ہمیں صرف معجم صغیر طبرانی میں ملی ہیں جن کو میں مسند دنیا ابو عبد اللہ محمد بن مقبل حلبی کی سند سے جو مجھکو موصوف نے

۱؎ ملاحظہ ہو بغیۃ الوعاۃ ص ۱۷۷ ۲؎ ایضاً کتاب مذکور ص ۳۱۰

اجازة مكاتبة منها في رجب سنة ثمانمائة وتسعة وستين عن محمد بن ابراهيم ابن ابی عمر المقدسی وهو آخر من حدث عنه بالاجازة الخ[1]

۸۶۹ھ میں مکاتبۃً (تحریری) دی تھی روایت کرتا ہوں شیخ محمد حلبی شیخ محمد بن ابراہیم بن ابی عمر مقدسی سے اجازۃً آخری راوی ہیں۔

طبقاتِ شیوخ علامہ سیوطی کو جن شیوخِ حدیث سے روایت حدیث کی اجازت حاصل تھی، وہ انکے تلمیذ شیخ عبد الوہاب شعرانی رح کے بیان کے مطابق حسب ذیل چار طبقوں میں منقسم ہیں۔

پہلا طبقہ وہ ہے جو فخر الدین ابو الحسن بن علی مقدسی المعروف بابن النجاری المتوفی ۶۹۰ھ، حافظ شرف الدین عبد المومن بن خلف دمیاطی المتوفی ۷۰۵ھ، ام محمد بنت الوزراء المعروف بوزیرہ المتوفی ۷۱۶ھ، شہاب الدین احمد بن ابی طالب المعروف بحجار المتوفی ۷۳۰ھ، مسند شام شیخ سلیمان بن حمزہ مقدسی المتوفی ۷۱۵ھ اور زین الدین ابو نصر ابراہیم بن عبد الرحمن المعروف بابن الشیرازی المتوفی ۷۱۴ھ جیسے بلند پایہ محدثین کے شاگردوں پر مشتمل ہے، جن سے موصوف کو روایت حدیث کی سعادت حاصل ہے۔

۱؎ تدریب الراوی فی شرح تقریب النواوی، مطبع خیریہ مصر ۱۳۰۷ھ ص ۱۸۴۔ یہاں یہ بات یاد رکھنے کے قابل ہے کہ علامہ مقبلی ان خوش نصیب محدثین میں سے ہے جن کو برہان الدین حلبی کی حسب خواہش شیخ صلاح الدین ابن ابی عمر نے ایسے وقت میں روایات حدیث کی اجازت دی تھی جب یہ کل سال بھر کے تھے، کیونکہ انکا سال ولادت ۷۷۹ھ اور محدث صلاح بن ابی عمر کا سال وفات ۷۸۰ھ ہے، مورخ محمد بن عبد الرحمن سخاوی المتوفی ۹۰۲ھ الضوء اللامع ج ۱۰ ص ۵۳ میں رقمطراز ہیں:-

اجازله في استدعاء البرهان الحلبی ستة وثمانون نفسا منهم الصلاح بن ابی عمر

موصوف کو برہان الدین حلبی کی استدعا پر چھیاسی مسندین سے اجازت ملی تھی جن میں سے صلاح بن ابی عمر بھی تھے۔

علامہ سیوطی نے شیخ محمد بن مقبل حلبی کی سند سے ایک روایت بغیۃ الوعاۃ ص ۱، ۲ میں بھی نقل کی ہے، ان کے حالات کے لیے ملاحظہ ہو الضوء اللامع ج ۱۲ ص ۵۳، فہرس الفہارس والاثبات، طبع فاس ۱۳۴۶ھ ج ۲ ص ۱۴، نیز فوائد جامعہ بر عجالۂ نافعہ از راقم السطور، طبع کراچی ۱۹۶۴ء ص ۲۷۶ و ۲۸۷

دوسرا طبقہ وہ ہے جو سراج الدین البلقینی المتوفی ۸۰۵ھ اور حافظ ابو الفضل عراقی جیسے حفاظ و محدثین سے روایت کرتا ہے اور ان سے علامہ سیوطی کو روایت حدیث کرنے کا فخر حاصل ہے، علو اسناد میں یہ طبقہ پہلے طبقہ سے فروتر ہے۔

تیسرا طبقہ فخر الدین ابو طاہر محمد بن عز الدین المعروف بابن کویک المتوفی ۸۲۱ھ وغیرہ کے تلامذہ پر مشتمل ہے۔ یہ طبقہ مرتبہ میں دوسرے طبقہ سے کمتر ہے۔

چوتھا طبقہ وہ ہے جو شیخ ابو زرعہ ابن زین الدین عراقی اور ابن الجزری جیسے حفاظ و محدثین سے روایت کرتا ہے، ان کی تعداد زیادہ ہے لیکن ان کی سند سے سیوطی نے صرف املا، یا تخریج و تالیف میں کوئی روایت نہیں کی ہے[1]۔

علامہ سیوطی کے زمانہ تک مسلم خواتین میں علوم اسلامیہ کا بڑا چرچا تھا، اس دور کی جن بارہ باکمال محدثہ خواتین سے علامہ سیوطی کو روایت و سماع حدیث کا شرف حاصل ہے ان کے نام یہ ہیں:-

(۱) خدیجہ[2] بنت عبد الرحمن بن علی عقیلی، (وفات ۸۷۶ھ)

(۲) آسیہ[3] بنت جار اللہ بن صالح طبری، (وفات ۸۷۳ھ)

(۳) صفیہ[4] بنت یاقوت مکیہ، (وفات ۸۷۲ھ)

(۴) رقیہ[5] بنت عبد القوی بن محمد جانی، (وفات ۸۷۴ھ)

(۵) ام حبیبہ[6] زینب بنت احمد بن محمد بن موسیٰ سویکی، (وفات ۸۰۶ھ)

(۶) کمالیہ[7] بنت احمد بن ناصر مکی (وفات بعد ۸۶۵ھ) علامہ سیوطی نے ان کی سند سے

---

[1] ملاحظہ ہو فہرس الفہارس والاثبات ج ۲ ص ۳۵۴ [2] موصوفہ کے حالات کے لیے ملاحظہ ہو الضوء اللامع ج ۱۲ ص ۲۸
[3] ایضاً کتاب مذکور ج ۱۲ ص ۴ [4] ایضاً ج ۱۲ ص ۱۱، ۳) [5] ایضاً ج ۱۲ ص ۴۴ [6] ایضاً ج ۱۲ ص ۴۰
[7] ایضاً ج ۱۲ ص ۱۱۹

ایک روایت بغیۃ الوعاۃ کے باب المنتقیٰ من احادیث النحاۃ میں نقل کی ہے۔

(۷) ام الفضل[1] ہاجر بنت الشرف مقدسی (وفات ۸۷۴ھ)۔ علامہ سیوطی نے ۸۷۰ھ میں ان سے حدیث کا سماع کیا، ان کی سند سے تدریب الراوی طبع مصر ص ۱۸۰ اور بغیۃ الوعاۃ، باب المنتقیٰ من احادیث النحاۃ میں کئی حدیثیں نقل کی ہیں،

(۸) خدیجہ[2] بنت علی بن الملقن، (وفات ۸۷۳ھ) بغیۃ الوعاۃ کے باب المنتقیٰ میں کئی روایتیں ان کی سند سے بھی منقول ہیں،

(۹) صالحہ[3] بنت علی بن الملقن، (وفات ۸۷۶ھ)

(۱۰) سارہ[4] بنت محمد بالسی (وفات ۸۶۹ھ)

(۱۱) ام ہانی[5] بنت ابی الحسن ہورینی (وفات ۸۷۱ھ)، بغیۃ الوعاۃ، کے باب المنتقیٰ میں ان کی سند سے متعدد روایتیں مذکور ہیں۔

(۱۲) کمالیہ[6] بنت محمد بن محمد مرجانی، (وفات ۸۸۰ھ)

مذکورۂ بالا محدثات کے علاوہ چند اور محدثۂ عصر سے بھی علامہ سیوطی نے باب المنتقیٰ من احادیث النحاۃ میں کئی روایتیں نقل کی ہیں، جن کے نام یہ ہیں:-

(۱) نشوان[7] بنت عبد اللہ عسقلانی (وفات ۸۸۰ھ) (۲) امۃ الخالق[8] بنت عبد اللطیف عقبی قاہری، (۳) امۃ العزیز[9] بنت محمد انبابی (۴) فاطمہ[10] بنت علی البالسی (وفات ۸۶۹ھ)

علامہ سیوطی کو جن کثیر التعداد شیوخ سے روایت حدیث کی اجازت حاصل ہے، ان کو موصوف نے

---

[1] موصوفہ کے حالات کے لیے ملاحظہ ہو الضوء اللامع ج ۱۲ ص ۱۳۲ [2] ایضاً ص ۲۹
[3] ایضاً ص ۷۰ [4] ایضاً ص ۴۳، [5] ایضاً ص ۱۸۷ [6] ایضاً ص ۱۲۱ [7] ایضاً ص ۱۳۰
[8] ایضاً ص ۹ [9] ایضاً ص ۱۰ [10] ایضاً ص ۹۶

معجم الشیوخ میں نام بنام گنایا ہے،

ولم اکثر من سماع الروایۃ	میں نے حدیث کا زیادہ سماع اس لیے
لاشتغالی بما ھو اھم وھو	نہیں کیا کہ میں حدیث کو سمجھکر پڑھنے میں
قرأۃ الدرایۃ	مصروف تھا، جو اس سے زیادہ اہم تھا،

حافظ ابن حجر عسقلانی سے تلمذ اور روایت کی حیثیت

حافظ ابن حجر عسقلانی سے علامہ سیوطی کا تلمذ علماء کا خاص موضوع بحث رہا ہے، کیونکہ شیخ ابن حجر عسقلانی کا انتقال ۸۵۲ھ میں ہوا تھا، اور علامہ سیوطی کی ولادت ۸۴۹ھ میں ہوئی تھی (جیسا کہ اوپر گذر چکا)، اس حساب سے حافظ ابن حجر عسقلانی کی وفات کے وقت ان کی عمر تین سال کی قرار پاتی ہے، اس عمر میں کوئی کیا پڑھ سکتا ہے، اسی بنا پر حافظ ابن حجر سے ان کے تلمذ میں علماء کا اختلاف ہے، اس اخیر دور میں نواب صدیق حسن قنوجی اور مولانا عبدالحئی فرنگی محلی میں اس موضوع پر بڑی بحث رہی ہے، اول الذکر تلمذ کے قائل اور موخر الذکر اس کے منکر تھے۔[1]

علامہ ابن حجر عسقلانی سے ان کے تلمذ کے بارے میں کلام کی گنجایش ہے لیکن اس حقیقت سے انکار نہیں کیا جا سکتا کہ حافظ ابن حجر کی مجلس درس میں ان کی حاضری متحقق و ثابت ہے، مورخ نجم الدین غزی فرماتے ہیں:

ایک مرتبہ شیخ کمال الدین اپنے فرزند جلال الدین کو شیخ ابن حجر کی مجلس درس میں لے گئے، یہ بڑی بابرکت، پرکیف اور بارونق مجلس تھی، اس لیے اس کا نقشہ علامہ سیوطی کے ذہن میں مرتسم ہو گیا، اور جب کبھی علامہ موصوف کو وہ مجلس یاد آتی تو یہی خیال ہوتا کہ ہو نہ ہو یہ ابن حجر عسقلانی کی مجلس درس کا واقعہ ہو گا، چنانچہ ایک مرتبہ انھوں نے اس واقعہ کا ذکر

[1] ملاحظہ ہو تذکرۃ الراشد بردتبصرۃ الناقد، از مولانا عبدالحئی فرنگی محلی مطبع انوار محمدی لکھنو ۱۳۰۱ھ ص ۳۴

اپنے والد کے ایک شاگرد شیخ شمس الدین محمد منادی المتوفی ۹۰۲ھ سے کیا، شیخ منادی اس وقت علامہ سیوطی کو سواری میں اپنے آگے بٹھائے ہوئے تھے، انھوں نے سنکر کہا یہ قصہ ابن حجر عسقلانی کی مجلس درس کا ہے۔"[1]

مذکورۂ بالا واقعہ ابن حجر عسقلانی کی مجلس درس میں شرکت کی نہایت واضح دلیل ہے مگر اس قسم کی شرکت محدثین کے یہاں چنداں قابل اعتبار نہیں، غالباً اسی وجہ سے علامہ سیوطی نے اجازت عامہ کے اعتبار سے جو اہل عصر کے ساتھ خاص ہوتی ہے، اپنے کو ابن حجر عسقلانی کے زمرۂ تلامذہ میں شمار کیا ہے،[2] نیز ان کے والد شیخ کمال الدین کی اپنے استاد حافظ ابن حجر کے یہاں آمد و رفت بھی تھی اس لیے خصوصی اجازت کا بھی احتمال ہے، موصوف ذیل طبقات الحفاظ میں رقمطراز ہیں:

ولی منہ اجازۃ عامۃ ولا	اور مجھے بھی ان سے اجازت عامہ کے
استبعد ان یکون منہ اجازۃ	تحت روایت حدیث کی اجازت حاصل
خاصۃ فان والدی کان یتردد	ہے اور کچھ بعید نہیں جو اجازت خاصہ بھی
الیہ[3]	ہو کیونکہ میرے والد ماجد کی انکے یہاں
	آمد و رفت تھی (انھوں نے ممکن ہے میرے
	لیے اجازت روایت لے لی ہو)

[1] ملاحظہ ہو الکواکب السائرہ طبع بیروت ج ۱ ص ۴، [2] اس عمومی اجازت کے تحت علامہ سیوطی نے شیخ بدرالدین عینی المتوفی ۸۵۵ھ سے بھی بغیۃ الوعاۃ کے باب المنتقیٰ من احادیث النحاۃ میں بلا واسطہ روایت نقل کی ہے جس کے الفاظ ہیں

انبانی العلامۃ بدر الدین محمود بن احمد العینی فی عمیدا جازتہ الخ

[3] ملاحظہ ہو ذیل طبقات الحفاظ للذہبی از علامہ سیوطی طبع دمشق ۱۳۴۷ھ ص ۳۸۱

اجازت عامہ کی حیثیت

حافظ ابن حجر عسقلانی اپنے وقت کے جلیل القدر مسند اور نامور حافظ حدیث تھے، اس لیے ان سے اجازت عامہ بھی باعث فخر اور موجب برکت ہے ورنہ اجازت عامہ محدثین کے یہاں زیادہ اہمیت نہیں رکھتی، علامہ سیوطی نظم العقیان فی اعیان الاعیان میں شیخ شاذ مساحی المتوفی ۸۶۵ھ کے تذکرہ میں لکھتے ہیں:-

والاجازة العامة لا يعمل بها اليوم[1]	اس زمانہ میں اجازت عامہ قابل عمل نہیں

علامہ موصوف نے اپنی تالیفات میں ابن حجر عسقلانی کی سند سے بلاواسطہ صرف دو ہی روایتیں نقل کی ہیں، ایک مسلسل بالحفاظ ہے اور دوسری ابن ہشام کی مشہور تالیف مغنی اللبیب کے سلسلہ میں ہے، جیسا کہ زاد المسیر فی فہرس الصغیر میں مذکور ہے[2]۔

علامہ سیوطی کا حسن المحاضرہ میں اپنے شیوخ کے تذکرہ میں حافظ ابن حجر کا ذکر نہ کرنا اور نظم العقیان میں ان کا مبسوط تذکرہ کرنے کے باوجود ان سے تلمذ کی طرف اشارہ نہ کرنا اس امر کی واضح دلیل ہے کہ اجازت عامہ ان کی نظر میں بھی اہم نہیں ہے۔

حافظ سخاوی سے استفادہ

حافظ سخاوی المتوفی ۹۰۲ھ حافظ ابن حجر عسقلانی المتوفی ۸۵۲ھ کے ارشد تلامذہ میں ہیں، وہ عمر میں علامہ سیوطی سے بڑے اور ہمہ صفت موصوف تھے، علامہ موصوف ان کے یہاں اکثر آتے جاتے رہتے تھے، بقول حافظ سخاوی گاہ بگاہ حافظ زین الدین قاسم بن قطلو بغا حنفی المتوفی سنہ اور حافظ برہان الدین ابراہیم بن عمر بقاعی شافعی المتوفی سنہ کی مجلس میں بھی جاتے رہتے تھے، اہل علم کی مجلس میں مسائل علمیہ پر گفتگو ہوتی ہے جس سے اہل علم کے جوہر کھلتے ہیں اور ایک کو دوسرے سے افادہ و استفادہ کا موقعہ ملتا ہے، بظاہر ایسا معلوم ہوتا ہے کہ

[1] ملاحظہ ہو نظم العقیان ص ۲۴۴ [2] ملاحظہ ہو زاد المسیر بحوالہ التنبیہ والایقاظ لما فی ذیول تذکرۃ الحفاظ از شیخ احمد رافع حسینی قاسمی طبع دمشق ۱۳۴۸ھ ص ۱۶۵

انہی علمی مجلسوں میں علامہ موصوف نے ان سے کچھ استفادہ کیا ہوگا، اور اسی قسم کی علمی مجلسوں میں گفتگو سے حافظ سخاوی ان کے علم و فضل کے قائل ہوئے اور، علامہ سیوطی ان کے فضل و کمال کے گن گانے لگے اور ان کی تعریف میں قصیدے تک لکھ ڈالے، ان کی اس حق پسندی کا حافظ سخاوی کو بھی اعتراف ہے، چنانچہ علامہ سیوطی کے والد شیخ ابوبکر سیوطی کے تذکرہ میں رقمطراز ہیں

وهو والد الفاضل جلال الدين	(یہ ابوبکر) فاضل جلال الدین عبد الرحمن
عبد الرحمن احد من اكثر من	کے والد ہیں، جلال الدین ان لوگوں میں
التردد علی و مدحنی نظما ونثرا	ہیں جن کی میرے پاس بہت آمد و رفت
نفع الله به[1]	رہی ہے، انھوں نے نظم و نثر میں میری تعریف کی ہے
	اللہ تعالیٰ ان کے علوم سے نفع پہنچائے۔

اسی استفادہ کو تلمذ سمجھ لیا گیا، حالانکہ اس قسم کے علمی استفادہ کو تلمذ سے تعبیر نہیں کیا جاسکتا، کیونکہ اس کی حقیقت اہل علم معاصرین کے باہمی افادہ و استفادہ سے زیادہ کچھ نہیں ہوتی، اس کی سب سے بڑی دلیل یہ ہے کہ نہ کسی تذکرہ نگار نے علامہ سیوطی کو حافظ سخاوی کے زمرۂ تلامذہ میں شمار کیا ہے اور نہ خود علامہ موصوف نے ان کا اپنے شیوخ میں کہیں ذکر کیا ہے، البتہ بغیۃ الوعاۃ میں ایک موقعہ پر حافظ سخاوی کے لیے صاحبنا کا لفظ استعمال کیا ہے جس سے بظاہر تلمذ کا گمان ہوتا ہے، حافظ سید عبد الحئی کتانی، فہرس الفہارس والاثبات میں لکھتے ہیں:

ولم يأخذ عن السخاوی ولا عده	نہ سیوطی نے سخاوی سے علوم کی تحصیل کی اور
من شيوخه هو ولا من وقفت	نہ علامہ سیوطی نے ان کو اپنے شیوخ میں شمار کیا
علی كلامه من اصحابه بل رأيته	اور نہ ان کے شاگردوں نے جن سے میں واقف ہوں

[1] ملاحظہ ہو التبر المسبوک، طبع بولاق مصر ۱۸۹۶ء ص ۳۵، نیز الضوء اللامع ج ۴ ص ۶۶
[2] ملاحظہ ہو فہرس الفہارس والاثبات، طبع فاس، ج ۲ ص ۳۵۵

نقل عنه مرة في بغية الوعاة	ان کو سیوطی کے شیوخ میں ذکر کیا ہے،
فقال رأيت بخط صاحبنا	بغیۃ الوعاۃ میں ایک جگہ میں نے سیوطی
المحدث شمس الدين السخاوي	کے قلم سے یہ لکھا ہوا دیکھا ہے کہ ہمارے
(انظر ص ۳۱۳) منها فعده من مشيخته[1]	صاحب (شیخ) محدث شمس الدین سخاوی کے
	قلم سے (ایسا) لکھا ہوا دیکھا ہے، ملاحظہ ہو
	کتاب مذکور ص ۳۱۳، اس موقعہ پر سیوطی
	نے ان کو اپنے شیوخ میں شمار کیا ہے،

حافظ عبدالحی کتانی کا صرف "صاحبنا" کے لفظ سے حافظ سخاوی کو علامہ سیوطی کا شیخ قرار دینا زیادہ قرین قیاس نہیں کیونکہ عربی محاورہ میں صاحبنا کا لفظ جس طرح استاد کے لیے بولا جاتا ہے اسی طرح اس کا اطلاق شاگرد، ہم درس، خواجہ تاش اور رفیق پر بھی ہوتا ہے، ہمارے خیال میں یہاں آخر معنی زیادہ موزوں اور قرین قیاس ہیں، کیونکہ حافظ سخاوی کو نہ علامہ سیوطی نے اپنے شیوخ میں ذکر کیا ہے، اور نہ ان کے تلامذہ نے کسی کتاب میں موصوف کو ان کا شاگرد بیان کیا ہے، اسکے برعکس بغیۃ الوعاۃ میں مذکورۂ بالا اقتباس سے پیشتر علامہ سیوطی نے اپنے استاد شیخ احمد بن محمد شمنی حنفی المتوفی ۸۷۲ھ کے تذکرہ میں حافظ سخاوی کے لیے صاحبنا کا لفظ استعمال کیا ہے، اس پر سید عبدالحی کتانی کی نظر نہیں ہے اس میں بھی آخر معنی زیادہ موزوں معلوم ہوتے ہیں، علامہ موصوف کے الفاظ ہیں:

خرج له صاحبنا الشيخ شمس الدين	ہمارے صاحب (رفیق) شیخ شمس الدین سخاوی نے موصوف کا مشیخہ
السخاوي مشيخة حدث بها[2]	(فہرست شیوخ) مرتب کیا اور اسکو بروایت بیان کیا ہے۔

[1] ملاحظہ ہو فہرس الفہارس والاثبات، طبع فاس ج ۲ ص ۳۵۵ [2] ملاحظہ ہو بغیۃ الوعاۃ ص ۱۶۳

سیوطی اپنے اساتذہ کی نظر میں

علامہ سیوطی اپنی محنت، ذکاوت اور کثرت مطالعہ کی وجہ سے اپنے اساتذہ و شیوخ کی نظروں میں قدر کی نگاہ سے دیکھے جاتے تھے، وہ ان کی صلاحیت و استعداد کو دیکھکر درس و تدریس کی اجازت دیدیتے، ان کی تالیفات پر تقریظیں لکھکر ان کا دل بڑھاتے، ان کی محنت کا اعتراف کرتے تھے، چنانچہ فقیہ شیخ علم الدین بلقینی المتوفی ۸۶۸ھ نے علامہ موصوف کی سب سے پہلی تالیف شرح الاستعاذہ والبسملہ پر تقریظ لکھی، جیسا کہ علامہ کا بیان ہے:

قد الفت .... شرح الاستعاذة	میں نے اعوذ باللہ و بسم اللہ کی شرح لکھی،
والبسملة ووقفت عليه شيخنا	ہمارے شیخ علم الدین بلقینی نے اس کو
علم الدين البلقيني فكتب	دیکھا تو اس پر تقریظ لکھی،
عليه تقريظا[1]	

علامہ سیوطی شیخ تقی الدین شمنی کے تذکرہ میں لکھتے ہیں،

شيخنا الامام العلامة تقي الدين	ہمارے شیخ امام علامہ تقی الدین شمنی حنفی
الشمني الحنفي .... كتب لي تقريظا	نے میری تالیف شرح الفیہ ابن مالک اور
على شرح الفية ابن مالك	جمع الجوامع پر جو علم نحو میں ہیں تقریظ
وعلى الجمع الجوامع في العربية	لکھی اور بارہا علوم میں میری قابلیت اور
تاليفي وشهد لي غير مرة	اور برتری کی زبان و قلم سے
بالتقدم في العلوم بلسانه وبنانه[2]	تعریف کی ہے۔

شیخ محی الدین کافیجی کے تذکرہ میں رقمطراز ہیں:

كتب لي اجازة عظيمة[3]	انھوں نے میرے لیے نہایت شاندار اجازت نامہ لکھا تھا۔

[1] ملاحظہ ہو حسن المحاضرہ ج ۱ ص ۱۸۹ [2] ایضاً ج ۱ ص و بغیۃ الوعاۃ ص ۱۹۴ [3] ملاحظہ ہو حسن المحاضرہ ج ۱ ص ۱۸۹

اور شیخ عبد القادر انصاری المالکیؒ کے تذکرہ میں تحریر فرماتے ہیں:

کتب علی شرحی الذی علی الالفیۃ	انھوں نے میری شرح الفیہ پر نہایت فصیح و بلیغ
تقریظاً بلیغاً[1]	تقریظ لکھی تھی،

ان اقتباسات سے ظاہر ہوتا ہے کہ علامہ سیوطی کو اپنے اساتذہ سے اور ان کو اپنے ہونہار اور لائق شاگرد سے خاص تعلق تھا، علامہ کافیجی، علامہ سیوطی کے والد شیخ ابوبکر کے دوستوں میں تھے، اس تعلق سے علامہ موصوف سے بھی بڑی محبت کرتے تھے، اور یہ بھی انکو باپ کی جگہ سمجھتے تھے، علامہ کافیجی علوم و فنون کے بحر ناپیدا کنار تھے، علامہ سیوطی باایں ہمہ وسعت نظر اور کثرت مطالعہ ان کے علم و فضل کے بڑے قائل تھے، چنانچہ تحصیل علوم کے بعد بھی شیخ کافیجی کی خدمت میں حاضر ہوتے اور ان سے اکتساب فیض کرتے تھے، استفادہ علمی کا یہ سلسلہ کم و بیش چودہ برس تک قائم رہا، علامہ کافیجی کی وسعت نظر اور علامہ سیوطی کے ذوق طلب اور علم سے شغف کا اندازہ حسب ذیل واقعہ سے ہو سکتا ہے، موصوف کا بیان ہے:

لزمتہ اربع عشرۃ سنۃ فما	میں چودہ برس ان کے ساتھ رہا جب کبھی
جئتہ من مرۃ الا و سمعت منہ	ان کی خدمت میں حاضر ہوا عجیب و غریب
من التحقیقات والعجائب ما لم	تحقیقات سننے میں آئیں جو اس سے پہلے
اسمعہ قبل ذلک قال لی یوماً	کبھی نہیں سنی تھیں، ایک روز انھوں نے
اعرب زید قائم فقلت قد صرنا	مجھ سے فرمایا: "زید قائم" کے وجوہ اعراب
فی مقام الصغار و نسأل عن ھذا	بیان کرو، میں نے عرض کیا ہم چھوٹوں
فقال لی فی زید قائم مائۃ	کی جگہ ہیں ہم سے اس کے متعلق کیا پوچھتے
و ثلاثۃ عشر بحثاً فقلت لا	ہیں، انھوں نے فرمایا "زید قائم" میں
اقوم من ھذا المجلس حتی	ایک سو تیرہ بحثیں ہیں، میں نے عرض کیا

لہ ملاحظہ ہو بغیۃ الوعاۃ ص ۳۱۰

استفیدھا فاخرج تذکرتہ	میں جب تک ان کو معلوم نہ کر لوں گا اس
فکتبتھا منھا وما کنت اعدّ	جگہ سے نہیں اٹھوں گا، تب انھوں نے
الشیخ الا والد ا بعد والدی	اپنی یادداشت (نوٹ بک) نکالی اور
لکثرۃ ما لہ علیّ من الشفقۃ	میں نے اس سے ان بحثوں کو نقل کر لیا
والافادۃ وکان یذکر ان	ان کی غیر معمولی شفقت و فیضان علمی کے
بینہ و بین والدی صداقۃ	باعث میں انکو اپنے باپ کی جگہ سمجھتا تھا، وہ
تامۃ[1]	فرماتے تھے کہ ان میں اور میرے والد میں گہری دوستی تھی۔

لیکن اس احترام و عقیدت کے باوجود اگر علامہ سیوطی کو ان کی تالیفات میں کہیں کوئی غلطی نظر آجاتی تو بلاتکلف ان سے عرض کر دیتے تھے، چنانچہ معاذ بن مسلم الہراء المتوفی ۱۸۷ھ کے تذکرہ میں لکھتے ہیں:

قلت من ھنا لمحت ان اول	یہاں سے یہ بات ظاہر ہو گئی کہ علم صرف کا
من وضع التصریف معاذ	مدون اول معاذ بن مسلم ہے، ہمارے شیخ
ھذا وقد وقع فی شرح القواعد	علامہ کافیجی نے شرح القواعد میں لکھا ہو
لشیخنا الکافیجی اول من وضعہ	کہ اس کے واضع اول حضرت معاذ بن
معاذ بن جبل وھو خطاء بلا شک	جبل ہیں جو یقیناً غلط ہے، میں نے اسکے
وقد سألتہ عنہ فلم یجبنی	متعلق ان سے سوال بھی کیا گر انھو
بشیء[2]	کوئی جواب نہیں دیا۔

لہ ملاحظہ ہو بغیۃ الوعاۃ ص ۴۸ اور البدر الطالع بمحاسن من بعد القرن السابع از محمد علی شوکانی طبع قاہرہ ۱۳۴۸ھ ج ۲ ص ۱۷۲ و ۱۷۳ ۔ علامہ سیوطی نے یہ معرکۃ الآرا بحث کتاب الاشباہ والنظائر جلد چہارم کے آخر میں نقل کی ہے جو حیدرآباد دکن سے شائع ہو چکی ہے، ۲ے ملاحظہ ہو بغیۃ الوعاۃ ص ۲۹۳

علامہ شمنی کی محبت و شفقت بھی ان پر کچھ کم نہ تھی، فرماتے ہیں:

لم یزل اطال اللہ عمرہ یودنی
ویحبنی ویعظمنی ویثنی علی کثیرا [1]

اللہ تعالیٰ شیخ کی عمر دراز کرے، وہ مجھ پر مہربان ہیں،
مجھ سے محبت کرتے ہیں، میری عزت اور میری بڑی

علامہ سیوطی نے ان سے جس طرح افادہ کیا ہے اس کے متعلق ان کا بیان پڑھنے کے لائق ہے، فرماتے ہیں:

لزمت فی الحدیث والعربیۃ
شیخنا الامام العلامۃ تقی الدین
..... فواظبتہ اربع سنین
..... ولم انفک عن الشیخ الی ان
مات [2]

میں نے عربیت اور حدیث کی تحصیل اپنے شیخ
امام و علامہ تقی الدین سے کی ......
میں چار برس تک ان کے ساتھ اس طرح
رہا ہوں کہ ان کے انتقال کے وقت
تک ان سے جدا نہیں ہوا،

علامہ شمنی بھی علامہ سیوطی کی قدر کرتے اور ان کی رائے پر اعتماد کرتے تھے، اس کا اندازہ اس واقعہ سے ہو سکتا ہے، موصوف کا بیان ہے:

"ایک مرتبہ میں نے اپنے استاد علامہ تقی الدین شمنی حنفی کی کتاب شرح الشفا کا مطالعہ کیا تو اس میں حدیث ابن الجمراء کو جو اسراء کے متعلق ہے، ابن ماجہ کے حوالہ سے منقول پایا، مجھے اس کی سند درکار تھی، میں نے اس کو ابن ماجہ میں تلاش کیا مگر نہ ملی، پھر ابن ماجہ کو پورا پڑھا مگر حدیث نظر نہ آئی، میں نے اس کو اپنی نظر کی غلطی سمجھا اور اس کو پھر پڑھا مگر پھر نہ ملی، بالآخر معجم ابن قانع میں ملی، میں نے شیخ شمنی کی خدمت میں حاضر ہو کر یہ واقعہ عرض کیا، انھوں نے میرے بیان پر اعتماد کرتے ہوئے اپنے نسخہ سے اسی وقت ابن ماجہ کے الفاظ قلمزد کر دیے اور حاشیہ میں ابن قانع کا حوالہ دیدیا۔ [3]

---

[1] بغیۃ الوعاۃ ص ۱۲۵ [2] حسن المحاضرہ ج ۱ ص ۱۸۹ [3] ایضاً۔ واضح رہے کہ یہاں ابن قانع میں تصحیف ہو کر ابن ماجہ بن گیا تھا۔

علامہ سیوطی کا بیان ہے کہ اس واقعہ سے شیخ موصوف کی قدر و منزلت میری نظر میں اور بڑھ گئی، اور میرا نفس میری نگاہ میں حقیر ہو گیا، میں نے شیخ شمنی سے عرض کیا کہ آپ اتنی عجلت نہ فرمائیں مراجعت کر لیں، انھوں نے فرمایا میں نے ابن ماجہ کے حوالہ میں شیخ برہان الدین حلبی کی تقلید کی تھی۔

علامہ سیوطی نے ان کی مدح میں اپنا ایک نہایت عمدہ قصیدہ بغیۃ الوعاۃ میں نقل کیا ہے جو ان کے باہمی تعلقات کا آئینہ دار ہے۔

علامہ سیوطی کے ساتھ شیخ عبد القادر مکی کی محبت و شفقت کا بھی یہی عالم تھا، علامہ سیوطی جب حج کے لیے مکہ معظمہ گئے تو انہی کے یہاں اترے، انھوں نے ان کی بڑی خاطر مدارات کی، جتنے عرصہ تک مکہ معظمہ میں علامہ سیوطی کا قیام رہا، موصوف کے پاس رہے اور کہیں کا رخ نہیں کیا، علامہ موصوف کا بیان ہے،

ولم یضفنی فی مکۃ احد غیرہ
ولم اتردد فیھا الی غیرہ ولم
اجالس بھا سواہ [1]

مکہ معظمہ میں ان کے سوا کسی نے میری
ضیافت نہیں کی اور نہ میں نے ان کے علاوہ
کسی کے یہاں آمد و رفت رکھی، اور نہ ان کے
سوا کسی کے پاس بیٹھا اٹھا۔

علامہ سیوطی کی یہ بڑی خوش قسمتی تھی کہ انھیں ابتدا ہی سے ایسے صاحب کمال اور مشفق اساتذہ ملے جن کی تعلیم و تربیت نے ان کے علمی ذوق کو ابھارا، نکھارا اور علم کو ان کا مشغلۂ زندگی بنا دیا، علامہ موصوف کو اپنی اس خوش بختی پر خود بھی فخر تھا، اپنے حاسدوں پر تعریض کرتے ہوئے کتاب الاشباہ والنظائر میں لکھتے ہیں:

کیف یقاس من نشاء فی حجر العلم

جو لڑکپن ہی سے علم کی گود میں پلا ہو اور

---

[1] بغیۃ الوعاۃ ص ۳۱۰

مذ کان فی مھدہ ودأب فیہ	اس میں لڑکپن، جوانی اور کہولت میں کوشاں
غلاماً وشاباً وکھلاً حتی وصل	رہ کر اپنی مراد کو پہنچا ہو، اس کو ایسے نووارد
الی قصدہ لدخیل اقام سنوات	علم پر کیسے قیاس کیا جاسکتا ہے جو برسوں کھیل کود
فی لھو ولعب وقطع اوقاتا بحرف	میں لگا رہا اور اپنے اوقات عزیز کو پیشہ و
فیھا ویکتسب ثم لاحت منہ	حرفت اور روزی کمانے میں صرف کرنے کے
التفاتہ الی العلم فنظر فیہ وما	بعد اس نے علم کی طرف توجہ کی، اس لیے اس میں
احتکم وقنع منہ بحلۃ العمم	پختگی نہ آئی اور ہر قسم کے کھانے کے لیے اس نے
ورضی ان یقال عالم وما التسم	قانع رہا اور محض اس بات پر خوش ہوگیا کہ
انا ابن دائح معرفتی بہا النبی	اس کو عالم کہدیا جائے، حالانکہ علم کا کوئی اثر
وھل بدا تحفیا للناس من عالم[1]	اس میں ظاہر نہیں ہوا،

حج اور دعا | علامہ سیوطیؒ نے ۸۶۹ھ میں جب کاروانِ عمر انیسویں منزل طے کر رہا تھا، فریضہ حج ادا کیا اور جس وقت آب زمزم پیا تو یہ دعا کی

بار الہا! فقہ میں مجھے سراج الدین بلقینی اور حدیث میں حافظ ابن حجر عسقلانی کا رتبہ عطا فرما!

بارگاہ الٰہی میں ان کی یہ دعا قبول ہوئی اور ان کا شمار اس دور کے حفاظ حدیث اور بلند پایہ فقہا میں ہوا، تاریخ شاہد ہے کہ ان کی ذات سے مسلمانوں کو ایسا ہی فیض پہنچا ہے جیسا علامہ بلقینی اور حافظ ابن حجر عسقلانی سے پہنچا تھا، حافظ محمد طولون کا بیان ہے

وھو من بورک فی علمہ مع	یہ بزرگ ہیں جن کے علم میں اللہ نے برکت عطا فرمائی،
شدۃ الدین[2]	حالانکہ دینی امور میں یہ بڑے متشدد اور سخت تھے،

۱؎ ملاحظہ ہو کتاب الاشباہ والنظائر طبع قاہرہ ۱۳۵۹ھ ص ۴ و ۵ ۲؎ ملاحظہ ہو مفاکہۃ الخلان فی حوادث الزمان طبع قاہرہ ۱۹۶۲ء ج ۱ ص ۲۹۵

قیام مکہ | جیسا کہ اوپر گذر چکا ہے مکہ معظمہ میں موصوف کا قیام شیخ عبد القادر کی کے یہاں رہا، حالانکہ ان کو گود میں کھلانے والے ان کے والد کے نامور شاگرد شیخ برہان الدین ابن ظہیرہ المتوفی سنہ مکہ معظمہ کے قاضی تھے، اور ان کو بڑا جاہ و منصب حاصل تھا، مگر مصاحبوں نے ان کو خوشامد پسند بنا دیا تھا، وہ سیوطی سے بھی اسی کے خواہش مند تھے، خوشامد علامہ سیوطی کے مزاج کے خلاف تھی، اس لیے انھوں نے ان کے یہاں قیام پسند نہیں کیا،

ابن ظہیرہ کی مجلس ختم بخاری میں شرکت | انھی ایام میں اتفاق سے شیخ ابن ظہیرہ کے یہاں ختم بخاری کی مجلس منعقد ہوئی، علامہ موصوف بھی اس مبارک مجلس میں تشریف لے گئے، شیخ ابن ظہیرہ نے انھیں دیکھکر انکسار کی فضیلت اور کبر کی مذمت پر تقریر شروع کر دی، علامہ موصوف سمجھ گئے کہ ان پر تعریض ہے، ابن ظہیرہ نے تقریر میں جو حدیثیں بیان کیں، علامہ موصوف نے ان کے متعلق شیخ موصوف سے کچھ سوالات کیے، شیخ با ایں ہمہ علم و فضل ان کا معقول جواب نہ دے سکے، اور اس سلسلہ میں انھیں علامہ موصوف سے استفادہ کا اعتراف کرنا پڑا[1]

اس واقعہ سے اندازہ ہو سکتا ہے کہ نوعمری میں علامہ موصوف کو علوم و فنون میں کتنا کمال حاصل ہو گیا تھا،

درس و تدریس | تحصیل علوم کے بعد علامہ سیوطی نے اس دولت کو وقف عام کرنے کے لیے تصنیف و تالیف، افتاء، و تدریس کا شغل اختیار کیا، ملک کی مشہور درسگاہوں میں تدریس کے اعلیٰ عہدوں پر ممتاز ہوئے، ۸۷۲ھ میں جامع شیخونیہ میں شیخۃ الحدیث کا منصب ملا، جامع ابن طولون میں مسند درس کو زینت بخشی جس سے ان کی شہرت دور دور تک پہنچ گئی، اور ہزاروں طالبانِ حدیث ان سے اکتساب فیض کے لیے آنے لگے۔

۱؎ نظم العقیان فی اعیان الاعیان، طبع نیویارک ۱۹۲۷ء ص ۲-۱۰۲

املائے حدیث قدرت کی طرف سے علامہ سیوطی کو قوت حافظہ غیر معمولی ملا تھا، بے شمار حدیثیں انھیں زبانی یاد تھیں، اس کا اندازہ اس سے کیا جاسکتا ہے کہ ۸۷۲ھ میں موصوف نے مرکز علم قاہرہ میں املاء کو جو قدماء کا طریقۂ درس تھا، از سر نو زندہ کیا، متقدمین کے دستور کے مطابق نماز جمعہ کے بعد جامع ابن طولون میں املائے حدیث کی مجلس ہوتی، موصوف پہلے زبانی حدیثیں بیان کرتے، پھر ہر حدیث کے ماله وما علیہ پر سیر حاصل بحث کرتے، شاگرد اس کو قلمبند کر لیتے تھے، اس طرح سے کم و بیش اسی مجلسوں میں حدیثیں املا کرائیں، پھر بیہقی کی ایک روایت کے مطابق املاء کا وقت بدل دیا اور نماز عصر کے بعد حدیثیں املاء کرانا شروع کیں اور کم و بیش پچاس مجلسوں میں املاء کرائیں، مجموعی طور پر یہ سلسلہ ڈھائی سال تک قائم رہا، چنانچہ علامہ املائے حدیث کی تاریخ بیان کرتے ہوئے رقمطراز ہیں:-

"تخریج املا میں ہماری عادت یہ ہے کہ ہم موضوع بحث کو ایک کراسہ (کاپی) میں لکھ لیتے ہیں، پھر زبانی لکھاتے ہیں، جب بحث پوری ہو جاتی ہے تو طالب املاء ہماری اس اصل سے جو ہم نے لکھی تھی مقابلہ کر لیتا ہے اور یہ سب سے اچھا طریقہ ہے، ابن صلاح کے بعد سے حافظ ابو الفضل عراقی کے آخر دور تک املاء کا طریقہ ختم ہو گیا تھا، عراقی نے ۷۹۶ھ میں اس کا دوبارہ افتتاح کیا اور اپنے سال وفات ۸۰۶ھ تک چار سو دس سے اوپر مجلسوں میں املاء کرایا، پھر ان کے فرزند (ولی الدین عراقی) نے اپنی زندگی بھر یہ سلسلہ جاری رکھا اور چھ سو چھبیس ۶۲۶ سے زیادہ مجلسوں میں املاء کرایا، اس کے بعد شیخ الاسلام ابن حجر نے اپنے سال وفات ۸۵۲ھ تک ایک ہزار سے زیادہ مجلسوں میں املا کرایا، پھر انیس ۱۹ برس تک یہ سلسلہ بند رہا اور ۸۷۲ھ میں میں نے اس سلسلہ کو پھر شروع کیا اور اسی مجلسوں میں املاء کرایا، اس کے بعد پچاس مجلسیں املاء کرائیں اور صحیحین کی حدیث کے پیش نظر جو حضرت ابو وائل رضی اللہ عنہ سے مروی ہے کہ حضرت

عبد اللہ بن مسعود رضی اللہ عنہ صرف جمعرات کے دن لوگوں کو نصیحت کرتے اور وعظ کہتے تھے۔

..... لہٰذا مناسب یہ ہے کہ ہفتہ میں ایک مرتبہ املاء کی مجلس منعقد کیجائے، املاء کرانے والوں میں سے کسی سے وقت املاء اور یوم املاء کی تعیین کے سلسلہ میں کوئی صراحت نہیں مل سکی، مگر اکثر حفاظ حدیث جیسے ابن عساکر، ابن السمعانی اور خطیب جمعہ کے دن بعد نماز جمعہ املاء کراتے تھے، میں نے بھی اس امر میں انہی کا اتباع کیا، پھر مجھے ایک حدیث مل گئی، جو بروز جمعہ بعد نماز عصر املائے حدیث کے استحباب پر دلالت کرتی ہے، یہ حدیث بیہقی نے کتاب شعب الایمان میں حضرت انسؓ سے مرفوعاً روایت کی ہے کہ جس نے عصر کی نماز پڑھی پھر بیٹھکر املا کرایا تو یہ آٹھ اولاد اسماعیل کو آزاد کرانے سے بہتر ہے۔"[1]

افسوس ہے کہ بعض علماء کی مخالفت کی وجہ سے یہ سلسلہ زیادہ عرصہ تک جاری نہ رہ سکا، اسی سے متاثر ہو کر موصوف نے یہ شعر کہے تھے:

عاب الاملاء للحدیث رجال — قد سعوا فی الضلال سعیا حثیثا

بعض لوگوں نے املاء حدیث کو عیب قرار دیا — انھوں نے گمراہی میں بڑی کوشش کی ہے

انما ینکر الامالی قوم — لا یکادون یفقہون حدیثا[2]

امالی کا انکار وہی قوم کرتی ہے — جو بات کو نہیں سمجھ پاتی ہے۔

حافظ العصر سید انور شاہ کشمیری فیض الباری میں فرماتے ہیں:

ثم انقطعت بعدہ بالکلیۃ[3] — علامہ سیوطی کے بعد امالی کا سلسلہ بالکل ختم ہو گیا،

یہ بات صحیح نہیں کہ علامہ سیوطی کے بعد امالی کا سلسلہ بالکلیہ ختم نہیں ہوا، بلکہ ہندوستان

---

[1] ملاحظہ ہو تدریب الراوی طبع اول مصر ۱۳۰۷ھ ص ۱۷۶ [2] ملاحظہ ہو الکواکب السائرہ ج ۱ ص ۲۳۰

[3] ملاحظہ ہو فیض الباری علی صحیح البخاری طبع قاہرہ ج ۲ ص ۳۱۴

کے نامور عالم حافظ سید مرتضیٰ بلگرامی ثم زبیدی المتوفی ۱۲۰۵ھ نے اس سلسلہ کو پھر سے زندہ کیا، اور کم و بیش چار سو مجلسوں میں حدیثوں کو املا کرایا تھا۔ حافظ عبد الحیٔ کتانی المتوفی ۱۳۸۲ھ، فہرس الفہارس والاثبات میں لکھتے ہیں،

بھا ختم الاملاء فاحیاہ المترجم بعد ماتہ او صلت امالیہ اربع مأئۃ مجلس[1]

حافظ سخاوی و سیوطی پر املا حدیث کا سلسلہ ختم ہو چکا تھا، مگر صاحب تذکرہ نے اس طریقہ کو پھر زندہ کیا، ان کی امالی کی تعداد چار سو تک پہنچتی ہے۔ (باقی)

---

[1] ملاحظہ ہو فہرس الفہارس والاثبات ج ۲ ص ۱۰۴، واضح رہے کہ حافظ سید انور شاہ کشمیری کا طریقۂ درس اگرچہ بطریقۂ املا نہیں تھا، مگر اس طرح درس دینے میں بھی انھیں دستگاہ کامل حاصل تھی، جیسا کہ ان کی درس کی تقریروں سے عیاں ہے، اگر وہ چاہتے تو اس طریقۂ درس کو سرزمین ہند پر زندہ کر سکتے تھے، مگر اس طرح استفادہ کرنے والے یہاں کہاں تھے۔

ذخیرۂ ہادی بلگرامی کے چند مخطوطات

از جناب زیدی جعفر رضا ایم اے شعبۂ سنسکرت و ہندی مسلم یونیورسٹی علی گڑھ

امسال ریسرچ کے سلسلہ میں حیدر آباد جانے کا اتفاق ہوا، میرا موضوع چونکہ بلگرام کے ۱۷ ویں اور ۱۸ ویں صدی عیسوی کے مسلمان ہندی شعراء سے متعلق ہے، اس لیے حیدر آباد کی اسٹیٹ لائبریری، سالار جنگ لائبریری اور ایوان اردو کے کتب خانہ سے استفادہ کرنے کے بعد مجھے بلگرامی خاندان کی اُن شخصیتوں سے ملنے کا اشتیاق ہوا جن کے یہاں کسی زمانے میں نادر قلمی کتابوں کے ایسے ذخیرے محفوظ تھے جو ہندوستان کے لیے باعث فخر سمجھے جاتے تھے، یوں تو ایک وقت وہ بھی تھا جب کہ بلگرام کی سرزمین بے مثال کتب خانوں سے مالا مال تھی، سید عبد اللہ بلگرامی، قاضی ابو الفتح بلگرامی، شاہ طیب بلگرامی، سید مبارک محدث بلگرامی اور علامہ بے عدیل میر عبد الجلیل بلگرامی وغیرہ کے ذخیرے بے نظیر اور لاثانی تھے، بلگرام سے تو عرصہ ہوا کتب خانوں کا شوق ختم ہو چکا تھا، لیکن حیدر آباد میں آباد بلگرامیوں نے اپنی روایات کو برقرار رکھا تھا، ڈاکٹر سید علی بلگرامی، عماد الملک سید حسین بلگرامی، جناب ہوشیار جنگ ہوش بلگرامی اور مولانا علی اصغر بلگرامی کے کتب خانے حیدر آباد کی سرزمین کے بہترین کتب خانوں میں شمار ہوتے تھے،

لیکن اب بلگرامیوں نے ان تمام روایات کو دفن کر دیا ہے، کہیں کہیں کوئی چراغ ٹمٹاتا نظر آتا ہے، وہ بھی زندگی کی آخری سانس لیتا ہوا، مذکورۂ بالا کتب خانوں کی تباہی کی داستان بہت قدیم نہیں، ہوش بلگرامی کا کتب خانہ جس طرح کوڑی کے مول فروخت کیا گیا، ڈاکٹر سید علی بلگرامی

کا ذخیرہ جس طرح تباہ و برباد ہوا، علی اصغر بلگرامی کے نوادرات ان کی آنکھیں بند ہوتے ہی جس طرح لٹے اور عماد الملک کا کتب خانہ جس طرح تاراج ہوا اس پر ان کی روحیں مضطرب اور اپنے اخلاف کی اس سعادتمندی پر نوحہ کناں ہوں گی، ان کتب خانوں کی بربادی پر میری زبان پر بے ساختہ وہ شعر آجاتا ہے جو کسی نے قاضی کمال بلگرامی کے کتب خانہ کی بربادی سے متاثر ہو کر کہا تھا،

در داد حسرتا کہ زوال کمال شد　　　　بر طالبان حیات دو روزہ وبال شد

اس تباہی کے باوجود ان بزرگوں کی چند نشانیاں دو ایک بلگرامی خاندانوں میں اب بھی محفوظ ہیں، اس مضمون میں نواب عماد الملک سید حسین بلگرامی کے نبیرے جناب سید ہادی حسین صاحب بلگرامی کے ذخیرے کے چند مخطوطات کا ذکر کیا جائے گا، موصوف آندھرا پردیش اسٹیٹ آرکائیوز کے ڈائرکٹر، بحیثیت انسان کے خلوص و محبت کا پیکر اور تاریخ فضلائے بلگرام کا آخری ورق ہیں، آپ مجھ جیسے اجنبی کے ساتھ جس خلوص سے پیش آئے اسے میں کبھی فراموش نہیں کر سکتا، اور جس محبت سے آپ نے اپنے ذخیرہ کے (جسے عماد الملک کی ایک مختصر سی نشانی سمجھنا چاہئے) مخطوطات میرے سامنے بکھیر دیے، الفاظ اس کا شکریہ ادا کرنے سے قاصر ہیں، موصوف کے قلمی ذخیرہ میں آج بھی جبکہ اس کا بیشتر حصہ مختلف کتب خانوں کی زینت بن چکا ہے، ادب، تاریخ، مذہب، فلسفہ اور اخلاق وغیرہ مختلف فنون سے متعلق مخطوطات موجود ہیں، ان میں سے چند مخطوطات کا ذکر کیا جاتا ہے۔

(۱) مجموعۂ دواوین غلام علی آزاد۔ یہ ایک نادر نسخہ ہے، جو علامۂ موصوف کی حیات میں نقل کیا گیا ہے، اس میں علامہ کے چھ دیوان شامل ہیں، نسخہ، دیوان ثانی سے شروع ہوتا ہے جو خود علامہ آزاد کے ہاتھ کا لکھا ہوا ہے، خط نستعلیق اور نسخ دونوں استعمال کیے گئے ہیں، کل اوراق کی تعداد (۲۸۹) اور فی صفحہ (۱۵) سطریں ہیں، ساتویں دیوان کے خاتمے پر

علامہ موصوف کا قصیدہ حسنیہ بھی شامل ہے، اس میں معشوقہ کے سراپا سے متعلق اشعار نظم کیے گئے ہیں، یہ قصیدہ بھی علامہ کے ہاتھ کا لکھا ہوا ہے، سالار جنگ کے کتب خانہ میں آزاد کے آٹھویں اور نویں دیوان کے نسخے بھی محفوظ ہیں، اس کے علاوہ شفاء العلیل فی اصلاحات الکلام المتنبی کی بھی ایک جلد ہے، نویں دیوان کا نمبر شمارہ ادب نظم عربی (۷) اور آٹھویں کا ادب نظم عربی (۴۶) ہے، جو لامیۃ المشرق سے موسوم ہے، اس میں آزاد کی ایک فارسی تحریر بھی شامل ہے، جو محمد باقر کے اعتراض کے جواب میں لکھی گئی ہے، کتب خانۂ آصفیہ میں مولانا آزاد کے ہاتھ کا لکھا ہوا ایک نہایت نادر کشکول ہے، جو نواب عماد الملک کے کتب خانے کی زینت رہ چکا ہے، اس میں علامہ کے بہت سے عربی و فارسی اشعار خود ان کے ہاتھ کے لکھے ہوئے ہیں، اس کشکول میں علامہ آزاد بلگرامی کے دو اردو اشعار بھی خود ان کے ہاتھ کے لکھے ہوئے موجود ہیں جنھیں دیکھنے کے بعد ان تحریروں کی تردید ہو جاتی ہے جن میں یہ ثابت کیا گیا ہے کہ آزاد اردو میں اشعار نہیں کہتے تھے، وہ اشعار یہ ہیں:

"از آزاد بلگرامی

کہوں کیا اس کی بے پروائیوں سے دل پریشاں ہے
نہ آیا ایک دن جس بے وفا کا نام جاناں ہے

یہ شعر مرزا مظہر جان جاناں سے متعلق ہے، آزاد کو موصوف سے خاص لگاؤ تھا، ان کے اس کشکول میں مظہر جان جاناں سے متعلق فارسی اور عربی کے متعدد اشعار ملتے ہیں۔

دوسرا شعر اس طرح ہے

بھلا ہمنیں سخن تم سوں کہاں ہے
برا کیوں مانتے ہو میرے صاحب

لفظ صاحب سے مراد غالباً مشہور تذکرہ نگار لچھمی نرائن شفیق ہیں، جو اردو میں صاحب تخلص کرتے اور

غلام علی آزاد کے لائق شاگرد تھے، بچھمی نرائن شفیق نے اپنی ایک مثنوی "اسرار نسواں" میں جو غلام علی آزاد کے غزلان الہند کا آزاد ترجمہ ہے، خود کو زبان ریختہ میں آزاد کا پیرو بتایا ہے، دو اشعار ملاحظہ فرمایئے

زبان برج میں کیشو ہے استاد ◦ زبان تازی اندر میر آزاد

زبان فرس میں بھی مخترع وہ ◦ یہ بندہ ریختہ میں ان کا پیرو

کتب خانہ آصفیہ میں آزاد کے دیوان اول و دوم کے دو نسخے ہیں، قصیدہ حسنیہ کا بھی ایک نسخہ ہے، لیکن ان کے کاتب اور سنہ کتابت کا پتہ نہیں چلتا، سالار جنگ کے کتب خانے میں بھی قصیدہ حسنیہ کا ایک نسخہ ہے، چند سال قبل تک مولانا علی اصغر بلگرامی کے ذخیرہ میں علامہ آزاد کی خود ان کے ہاتھ کی لکھی ہوئی چند تصانیف محفوظ تھیں جن کا ذکر موصوف نے "فارسی بلگرام" میں کیا ہے، لیکن افسوس ہے کہ باوجود کوشش کے علی اصغر صاحب کے ذخیرہ کا ابتک کوئی پتہ نہیں چل سکا، مولانا کے کچھ عربی دواوین شائع ہو چکے ہیں اور کچھ کا انتخاب شائع ہوا ہے، لیکن پیش نظر نسخہ چونکہ بہت زیادہ اہم اور مستند ہے، اس لیے کسی قدر تفصیل سے اس کا تعارف کرا دینا مناسب معلوم ہوتا ہے، تاکہ اس کی نوعیت اور اہمیت کا صحیح اندازہ ہو سکے۔

تفصیلات دیوان ثانی :

ابتدا : الدیوان الثانی للفقیر آزاد الحسینی الواسطی البلگرامی

قال ممتدحا للنبی صلی اللہ علیہ وسلم

عطف القنیص علی جوی الورقاء ◦ سوی لہا قفصا من الطرفاء

خاتمہ : الاشی تصغیرا شاو ہو صغار النخل او عامۃ الرنا ......

ہی کنایۃ عمن لا یعرف ولا یعرف ابوہ الاری تصغیر اری بالفتح وہو العسل

ترقیمہ - تم الدیوان الثانی علی ید الفقیر آزاد الحسینی الواسطی البلگرامی

صاحب الدیوان عفا اللہ عنہ یوم الجمعۃ التاسع عشرین شہر ربیع الاول سنۃ سبع وثمانین ومائۃ والف بحیدرآباد من بلاد .... اللہم صل وسلم علی خاتم الرسل الکرام وعلی آلہ وصحبہ ..... فی صفحات الایام ما ست الاقلام علی الاوراق وسامت الکلام - لا فاق -

تفصیلات دیوان ثالث :

بسم اللہ الرحمن الرحیم - ہذا الدیوان الثالث لحسان الہند مولانا السید غلام علی المتخلص بآزاد الحسینی الواسطی البلگرامی قال ممتدحا للنبی صلی اللہ علیہ وسلم فی ذی الحجۃ سنۃ ست وثمانین ومائۃ والف -

ابتدا - عطر النسیم سری من الوعساء وافادنی بشری من الحسناء

خاتمہ - ...... اجبت بذکرہم اسیر الاجل

ترقیمہ - تم الدیوان الثالث لآزاد الحسینی الواسطی البلگرامی علی ید المصنف النسخۃ الاولی فی تاسع من ذی الحجۃ سنۃ سبع وثمانین ومائۃ والف وہذا الیوم ختام السنۃ مذکور .... بالخیر محی خاتم النبیین صلی اللہ علیہ وعلی آلہ الاطہار وصحبہ الاخیار ما سجعت الحمائم وبسمت الکمائم -

تفصیلات دیوان رابع - یہ خط نسخ خوشخط میں ہے -

ابتدا - مولانا السید غلام علی بن السید نوح الحسینی نسب الواسطی اصلا البلگرامی مولدا ومنشا الحنفی مذہبا الچشتی طریقۃ" المتخلص فی الفارسیۃ بآزاد تولد فی الخامس والعشرین من صفر یوم .... سنۃ ستۃ عشر ومائۃ والف بمحروسۃ بلگرام ونشا بہا وہی متصلۃ بقنوج وہی بلدۃ مشہورۃ من بلاد الہند مذکورۃ فی القاموس یرجع نسبہ الی علی العراقی من نسل زید الشہید رضی اللہ عنہ ....

یہ پانچ صفحوں کی تمہید ہے جس کا خاتمہ اس طرح ہے :-

..... تذکرات بالفارسیة اولاہا ید بیضا وثانیہا سرو آزاد وثالثہا خزانۂ عامرة وذکر فی ہذہ المصنفات الثلاثة احوال شعراء الفرس واشعارہم ولہ دیوان فارسی ..... آلاف بیت ۔

ابتداء دیوان الرابع ۔ بسم اللہ الرحمن الرحیم ۔ الدیوان الرابع المردف لحسان الہند مولانا السید غلام علی المتخلص بآزاد الحسینی الواسطی البلگرامی قال ممتدحا للنبی صلی اللہ علیہ وسلم فی ذی الحجة سنة تسع وثمانین ومائة الف ۔

اخترت من بدو الشعور ہواکا   یا لیتنی قبل الحمام ارا کا

خاتمہ :

آزاد ابصر فی الغواش غلامہ   وادرکہ علی نہج السداد مقامہ

سلام علی النور الاتم وآلہ   واصحابہ العالین قدر جلالہ

وقال فی تم تم تم المستزاد

اخار جنب ذات عرق جنفاً   قد اصبح عن محبتہ منحرفاً

واستد جفاہ   وامتد نواہ

حتی لاح الغداد فی وجنة   الجرات الیوم شارقا منخسفاً

ما اقبحہ   سبحان اللہ

ذات عرق بکسر العین المہمل موضع بالبادیة میقات العراقین النجیف بالجیم والنون محرکہ الخور الجفا نقیض الصلہ دیقصر ..... البجل سبحان اللہ ہو ماخوذ من الحدیث روی البخاری عن اسماء بنت ابی بکر انہا قالت .... عائشة زوج النبی صلی اللہ علیہ وسلم حین خسفت الشمس فاذا الناس قیام یصلون

واذا ہی قائمة تصلی فقلت ما للناس فاشارت بیدہا الی السماء وقالت سبحان اللہ فقلت آیة فاشارت ان نعم الحدیث یستعمل سبحان اللہ فی مقام العبرة والتعجب ۔

الدیوان الخامس ۔ شروع میں چار صفحوں کا ایک دیباچہ ہے جس کی ابتدا اس طرح ہوتی ہے:

بسم اللہ الرحمن الرحیم ۔ الحمد للہ وسلام علی عبادہ الذین اصطفی اما بعد فیقول العبد الناہج فی الطریق العوامی آزاد الحسینی الواسطی البلگرامی ....

خاتمہ ۔ ..... ہذا الدیوان سبعة آلاف وزیادة تقبلہا اللہ تعالی حسن القبول ورزقنی الفوز بالمامون ۔

الدیوان الخامس وہو دیوان المستزادات لحسان الہند مولانا السید غلام علی المتخلص بآزاد الحسینی الواسطی البلگرامی قال ممتدحا للنبی صلی اللہ علیہ وسلم فی المحرم سنة احدی وتسعین ومائة الف ۔

ابتداء دیوان :

یاخذ الجلال جیدا ورقا   تملی کرما علی اسیر الغناء

طوق الصغراء   ذکر الذوراء

والحفظ عزیز یشرب یطرسی   بالذکر کانہ خطیب الخطباء

فوق الطرفاء

المنفض بالضاد المعجمة المتباعد السلوی کل .... یسلیکہ وقال فیہ

حارت مقل الانام فی الحسناء   فاقت فی الحسن .... لا کفاء

ما اعظمہا

نائی لیلی ومثلہا فی الدنیا   روانی مثل غادة الدہنا

لا مریة فیہ   ما اکرمہا

الدیوان السادس

ابتدا ۔ بسم اللہ الرحمن الرحیم ۔ الدیوان السادس لحسان الهند مولانا السید غلام علی آزاد الواسطی البلگرامی قال ممتد حاللنبی صلی اللہ علیہ وسلّم ......سنة اثنین وتسعین ومائة والف

هذا العقیق مبارک الآثار   من ..... لطیفی سواه اُواری

لحل الجواهر لامحالة تربه   سدی لجلاء لاعن .....

خاتمہ ۔ کن من العاذلین منحرفا   صوه الی من تردم رویة

ترقیمہ ۔ هذه آخری الدیوان السادس لحسان الهند مولانا آزاد الحسینی الواسطی البلگرامی وابیات هذا الدیوان الف و..... الی یوم المآب.

الدیوان السابع ۔ شروع میں ایک صفحہ کا مقدمہ ہے، دیوان اس طرح شروع ہوا ہے:

الدیوان السابع لحسان الهند مولانا السید غلام علی آزاد الحسینی الواسطی البلگرامی قال ممتد حاللنبی صلی اللہ علیہ وسلّم فی شهر ذیقعدة سنة ثالث وتسعین ومائة والف.

خاتمہ ۔ شغفتنی من جرح الفواد عیونها   تلاه من دفع الیوف القواسب

لقد قتلت آزاد ظالمة النقا   .... مشهد المرحوم اهمی السحائب

القصیدة الحنیة المسماة بمرآة الجمال

ابتدا ۔ بسم اللہ الرحمن الرحیم ۔ لقصیدة الحسینیة المسماة بمرآة الجمال فی اعضاء المعشوقة من الراس الی القدام وهی خمس ومائة ۔

مطلق الحسن

بی ظبیة من ابرق الحنان   من مثلها فی عالم الامکان

شمس تباهی بالسنا مقلها   وکواکب احری من الانسان

خاتمہ ۔ ما ان سمعنا مثلها عن شاعر   آزاد للطرز المنشط بانی

صلی الاله علی النبی وآله   ما غنت الاطیار بالالحان

هذا آخر ما اردت ایراده فی هذه الاوراق وختامه ما قصلت اتحافه الی ادباء الزمن ومن اللوازم ان اثبت ترجمتی فی هذا المقام واجعل نبذة ذیلا للکلام لیقف الناظرون علی من صنف الرسالة وقیدا فی حبالة الغزالة لعلهم یذکرونه بتحف لغواتح ویروحونه بالانفاس الفوائح الفقیر آزاد الحسینی الواسطی البلگرامی ۔

ترقیمہ ۔ راقم هذه القصیدة الحسینیة ناظمها الفقیر آزاد الحسینی الواسطی البلگرامی تمت کتابتها یوم الجمعة السادس والعشرین من شهر ربیع الاول سنة سبع وثمانین ومائة والف اللهم صلّ وسلم علی النبی العربی وآله وصحبه لا مجا ماعزوت الاطیار علی نواخر الاوراد۔

مثنوی مظہر البرکات[1]

زیر نظر مخطوط علامہ غلام علی آزاد کی مثنوی مظہر البرکات کا ایک اہم اور نادر نسخہ ہے جو کل سات دفاتر پر مشتمل ہے، اس میں مختلف اولیائے کرام اور فضلائے ذوی الاحترام سے متعلق حکایتیں نظم کی گئی ہیں ۔ مکمل مثنوی (۱۳۷) اوراق میں ہے، ہر صفحہ پر انیس سطریں ہیں، ابتدا میں مقدمے کے طور پر چار صفحے لکھے گئے ہیں، جو غالباً مفتی سید امیر حیدر ابن سید نور الحسن ابن علامہ غلام علی آزاد نے لکھے ہیں، خط معمولی نستعلیق ہے ۔

---

[1] اس کی تین جلدیں سالار جنگ کے کتب خانہ میں ہیں، جن میں صرف ایک مکمل ہے، دوسری جلدوں میں ایک میں صرف ایک اور دوسرے میں دو دفاتر شامل ہیں۔

دفتر اول کی حکایات کی سرخیاں ترتیب وار درج کی جاتی ہیں، حکایۃ ابن عثمان الخیری۔ حکایۃ الناظم، حکایۃ القلندر السمرقندی، حکایۃ السید مبارک البلگرامی، حکایۃ الشیخ نصیر الدین دہلوی، حکایۃ الامیر خسرو دہلوی، حکایۃ الشیخ برہان الدین الدولت آبادی، حکایۃ قیس المجنون، حکایۃ الشیخ نظام الدین دہلوی، حکایۃ ابی عبد اللہ الحسین قدس اللہ سرہٗ، حکایۃ المعتصم الخلیفۃ العباسی، حکایۃ الناظم۔

دفتر ثانی کی ابتدا ان اشعار سے ہوتی ہے۔

ربنا انت خالق البشر	جاعل النطق احسن الدرر
قد جعلت للفؤاد سلطانا	وجعلت اللسان معوانا
رب سلم علی ضحی النجم	قمر السائرین فی الظلم

دفتر ثانی کی مختلف سرخیاں سلسلہ وار درج کی جاتی ہیں، سر کیفیۃ الوحی، معنی حدیث لا یلدغ المومن من جحر واحد مرتین من افکار الناظم، تمثیل من تفردات الناظم، تمثیل حسن من الناظم، نکتہ لطیفہ من الناظم، ظرافہ من الناظم، تمثیل لتجدد الامثال، حکایۃ الشمع، حکایۃ الشیخ عبد القادر جیلانی، حکایۃ الامیر خسرو دہلوی، حکایۃ المیر باقر الداماد الاسترآبادی، حکایۃ العاشق، حکایۃ السارق العاقل، حکایۃ مصاحب الملک، حکایۃ الاکول، حکایۃ المسافر۔ حکایۃ الحاکم العاقل، حکایۃ الصاحبین عباد، حکایۃ ندیم الملک، حکایۃ معبر الرویا، حکایۃ ابن عبد اللہ بن الجلا قدس اللہ سرہ

آغاز دفتر ثالث

احمد اللہ ہادی السبل	جاعل الوحی حجۃ الرسل
اصطفی نوعنا من الخلق	منح الوہب دولۃ النطق

دفتر ثالث کی سرخیاں: نکتہ لطیفہ من مرشدی السید لطف اللہ البلگرامی قدس اللہ سرہ، حکایۃ السید المبارک البلگرامی قدس اللہ سرہ، تمثیل رائق، حکایۃ السید عبد الواحد البلگرامی قدس اللہ سرہ، حکایۃ ابن العباس بن عطاء قدس اللہ سرہ، حکایۃ الحسین بن منصور قدس اللہ سرہ، حکایۃ الحسن النوری قدس اللہ سرہ، حکایۃ ندیم السلطان۔

الخاتمہ: حکایۃ غلام نقشبند الکھنوی، حکایۃ شاہ رحمت اللہ البلگرامی، حکایۃ المیر کاظم السکری، حکایۃ السلطان محمد قاآن ملک الہند، حکایۃ الشاہ رحمت اللہ البلگرامی، حکایۃ مدعی الرسالۃ، حکایۃ الشیخ یحیی العباس، سوال نحوی غبی وجواب عالم ذکی، حکایۃ یزید بن المہلب حکایۃ الشاہ اسمٰعیل وشیک خاں، حکایۃ السلطان جہانگیر والی الہند، حکایۃ النواب آصفجاہ والی الدکن، مزاح لطیف

خاتمہ دفتر ثالث

ایہا الناظرون فی الصفحات	اذکرونی باحسن الدعوات
قول آزاد احسن النعم	دائربین ورق ذی سلم

آغاز دفتر رابع

انت یا رب خالق النسم	ملہم الورق صنعۃ النغم
لک تسبیح معشر الملک	بک تعلیق سبعۃ الفلک

دیوان رابع کی سرخیاں: حکایۃ الامام زین العابدین علی جدہٖ وعلیہ السلام، حکایۃ الامام علی الہادی علی جدہٖ وعلیہ السلام و لمتوکل الخلیفۃ العباسی، حکایۃ ابن عبد اللہ القلانسی، حکایۃ رابعۃ البصریۃ قدس سرہا، حکایۃ خانعالم الدکنی، حکایۃ العاشق والمعشوقہ، حکایۃ الطبیب

خاتمہ دفتر الرابع :۔

وھو صور القیامة الکبری　　　وھو بالنقع ینشر الموتی

قول آزاد نابز عن عکم　　　ووجیب الفواد یوجعکم

آغاز دفتر خامس :

تاج راس الخطاب حمد اللہ　　　نور روحہ الکتاب حمد اللہ

عالم الطیر صنعة الالحان　　　جعل اللحن صفیل الاذہان

دفتر خامس کی سرخیاں : حکایۃ الامام الشافعی رضی اللہ عنہ، حکایۃ عیسی مو تم الاشبال، حکایۃ الشیخ الصوفی البلگرامی، حکایۃ خادم مولانا السید محمد الکالپوی، حکایۃ العصفور والعصفورۃ حکایۃ الذہب والفضہ، حکایۃ الشیخ، حکایۃ عاشق مفلس، حکایۃ الملا سعید الاشرف المازندرانی حکایۃ عالم ناقص، حکایۃ النواب ناصر جنگ والی دکن، حکایۃ سلطان غازان خان، حکایۃ السلطان اورنگ زیب عالمگیر، حکایۃ الناظم

خاتمہ الدفتر الخامس : الختم فخر کفہ الخاتم الاوابد الوحوش السانح الظبی المار عن یمینک یتفاول بہ وضدہ البارح الصحناء الشمس۔

آغاز دفتر السادس۔

انا اتمنی علیک یا اللہ　　　انا ارنو الیک یا رباہ

انت اخرجتنی من العدم　　　انت انطقتنی من البکم

شاکرات لک الحمامات　　　ذاکرات الک الحمایات

دفتر السادس کی سرخیاں : حکایۃ الشیخ احمد الغزالی، حکایۃ الشیخ فرید الدین، حکایۃ الشیخ نظام الدین، حکایۃ ہارون الرشید، حکایۃ الخاطب، حکایۃ مصاحب الملک، حکایۃ قاضی البصرہ، حکایۃ الظالم، حکایۃ امراۃ، حکایۃ بنت داہر، حکایۃ السلطان محمود الغازی الغزنوی

حکایۃ الامام علی الہادی علی حدۃ۔

خاتمہ دفتر السادس :-

انا ابدی علی یدی عملا　　　تارکا امل القری خجلا

آغاز الدفتر السابع :

ربنا انت منطق الفصحاء　　　مودع الحر مقول الورقاء

واضح اللہ فی ید المطر　　　صانع النطق فی فم البشر

دفتر السابع کی سرخیاں : حکایۃ الامام الاعظم رضی اللہ عنہ، حکایۃ السخی، حکایۃ جدی المیر عبد الجلیل البلگرامی قدس اللہ سرہ، حکایۃ اخی السید غلام حسن، حکایت بعض الظرفا، حکایۃ الاکلین، حکایۃ بدوی، حکایۃ الحسن الصباح، حکایۃ قطب الملک وزیر محمد شاہ سلطان الہند حکایۃ الحکیم بقراط الیونانی، جواب لطیف من الناظم،

خاتمہ دفتر

صانہ اللہ باری النسم　　　ما اضاءا لنجوم فی الظلم

انت آزاد سید الفصحا　　　لک یعنو صمائم الشجرا

ترقیمہ : تمام شد ہفت دفاتر مثنوی مظہر البرکات از تصنیفات میر غلام علی آزاد قدس اللہ سرہٗ

کلیات شیخ السعدی علیہ الرحمہ۔ یہ ایک نہایت خوبصورت نسخہ ہے، جسے بہت اہتمام کے ساتھ خط نسخ میں نقل کیا گیا ہے، اول تا آخر کتابت کے خط وخال اور نوک پلک میں کوئی فرق نظر نہیں آتا، ابتدائی دو صفحات مطلا مذہب زبرجدی شنجرفی گلکاریوں سے مرصع ہیں، سنہ کتابت ذیقعدہ سنہ ۱۰۹۰ھ ہے، کل اوراق (۲۰۳) ہیں، اس میں شیخ علیہ الرحمہ کی کئی کتابیں شامل ہیں، نسخہ کتاب کلیات شیخ مصلح الدین افضل المتکلمین سعدی علیہ الرحمہ کی سرخی سے شروع ہوتا ہے، دیگر

تفصیلات حسب ذیل ہیں :-

ابتدا : شکر و سپاس بے قیاس معبودی را جلت قدرتہ کہ آفرینندۂ بنین و بنات آدم است گویم کہ خوان نعمتش بر مطیع و عاصی و دنی وطا غنیدہ وگستردہ رحیمے کہ از دیوان رحمتش در گوش جان ہر گنہگار، در ہر شب تاریک در شبستان و دوری چند بار این ندا میرسد کہ ہل من سائل ہل من مستغفر...

شروع میں مختصر پانچ چھ رسالے ہیں جن کی فہرست اس طرح ہے : (۱) رسالہ اول در تقدیر دیباچہ (۲) رسالہ دوم در مجلس پنجگانہ (۳) رسالہ سوم در سوال و جواب صاحب دیوان، (۴) رسالہ چہارم در عقل (۵) رسالہ پنجم در نصیحۃ الملوک، اس میں رسالہ ملک شمس الدین نادی بھی شامل ہے، اس کے بعد کی فہرست اس طرح ہے : اول گلستان، دوم سعدی نامہ، سوم قصائد عربی، چہارم قصائد فارسی، پنجم مراثی، ششم ملمعات، ہفتم ترجیعات، ہشتم طیبات، نہم بدائع، دہم خواتم، یازدہم غزلیات قدیم، دوازدہم صاحبیہ، سیزدہم مفردات، چہاردہم رباعیات، پانزدہم خبثیات، شانزدہم مقطعات، ہفدہم بوستان

مذکورۂ بالا کتابوں کے اخیر میں کاتب نے سنہ کتابت درج نہیں کیا ہے، صرف کتاب المفردات کے خاتمہ پر جو کہ اس نسخہ کی آخری کتاب ہے، سنہ کتابت درج ہے، آخری کتاب کا ترقیمہ اس طرح ہے:

تمت المفردات بعون اللہ و توفیقہ والصلوٰۃ والسلام من ختم النبوۃ وعلی آلہ و اولادہ الطیبین الطاہرین، اللّٰھم اغفر لناظم و راقم و خاتمہ امن وقع الفراغ من کتابتہ منتصف ذی القعدۃ الحرام سنہ ۷۹۱ھ احدی وتسع مائۃ

سالار جنگ کے کتب خانہ میں کلیات شیخ سعدی کے بارہ نسخے ہیں جن میں ایک نسخہ نہایت نادر ہے، اس کا سنہ کتابت ۷۲۴ھ ہے یعنی مصنف کی وفات کے محض ۳۷ سال بعد کا مکتوبہ ہوا، کاتب علی بن احمد صاحب ہیں، دیگر نسخے بہت قدیم نہیں۔

شرح صحیفہ کاملہ - شارح مولانا محمد باقر بن محمد تقی مجلسی متوفی سنہ ۱۱۱۱ھ، سنہ کتابت سنہ ۱۱۳۸ھ، صفحات ۵۱۳ سطور فی صفحہ ۱۷، خط نسخ۔

مولانا محمد باقر اپنے زمانہ کے جید عالم تھے، پیش نظر شرح موصوف کی محنت اور عرق ریزی کا نتیجہ ہے، اس میں مولانا نے باریک سے باریک نکتوں کو واضح کرنے کی ایک کامیاب کوشش کی ہے، ابتدا اور خاتمہ سے چند سطریں نقل کیجاتی ہیں۔

آغاز : الحمد للہ الاول ستایش مر خدائے را کہ پیش از ہمہ چیز است، بلا اول بکسر و تنوین و در نسخہ ابن ادریس بفتح بلا تنوین وضابطہ این است کہ اگر اول افعل تفضیل باشد غیر منصرف است و جاری است بر موصوف مذکور یا مقدر و من تفصیلی مقدر است و اگر اول فعل صفت مشبہ باشد و جاری بر موصوف نیز غیر منصرف است۔

خاتمہ شرح : ...... خود بریں خاصم کہ مترجم این ادعیہ کریمہ است و بحق صاحب این ادعیہ و آباء کرام و اولاد اطہار او ببخشائے و عرفان و رضوان نصیب کن آمین یارب العالمین وصلی اللہ علی خیر محمد و آلہ اجمعین ... الطاہرین برحمتک یا ارحم الراحمین

ترقیمہ : تا اینجا مقابلہ شد و امید وار است کہ ایشان مقابلہ ترجمان کردہ خواہد سنہ ۱۱۳۸

شرح صحیفہ کاملہ کی ایک اور بھی جلد ہادی صاحب موصوف کے ذخیرہ میں محفوظ ہے، خاتمہ پر مزید ایک نوٹ درج ہے، الحمد للہ والمنۃ کہ ہذہ الشرح صحیفہ کاملہ بکمال مصنفہ جناب اعلم العلماء، و افضل الفضلاء، النحریر الفہامہ والبحر العلامہ امام المجتہدین قدوۃ المتکلمین عالم علوم جلی و خفی مولانا محمد باقر بن محمد تقی حشرہما اللہ مع موالیہما الاطیبین مہدی علی ابن سید علی حسن بلگرامی را میسر شد

شرح کافی - در خط نسخ، شارح مولانا محمد بن ابراہیم شیرازی۔

ابتدا : بسم اللہ الرحمن الرحیم۔ الحمد للہ الذی جل عن مطارح الفکر جلالہ

وارتفع عن مواقع النظر كماله عجزت المدارك والعقول عن كنه كمال حكمته وكلت السن الفصحا
عن وصف جلال عظمته اشهد ا ..... القهار القادر المختار العزيز الجبار جاعل
الملائكة والمدبرات وسايط ليظهر فضله وجوده وباعث الانبياء والرسل وسائل
ليهتدى الناس الى معرفة ذاته ووجوده فاعل كل محسوس وغاية كل مطلوب واهب
حيوة العالمين وناظم السموات فوق الارضين مدبر الاسباب والامور ومقدر
الازمنة والدهور محصل ما فى الصدور وباعث من فى القبور يوم ينفخ فى الصور
ويطوى السماء للمنشور جاعل الظلمات والانوار ومظهر الليل والنهار ومحرك الفلك
الدوار ومزين السماء بزينة الكواكب والاقمار اوحى فى كل سماء ... اوحى التنوير
والتسبيح والتصوير للملائكة الابرار المطهرين عن شهوات النفوس وادناس
الاشرار مسبحين الليل والنهار۔

خاتمہ: ..... وفى كتاب الايمان والكفر احاديث كثيرة فى علامات المومن وصفاتهم
فيرجع من اراد الى هناك والله ولى المومنين قال الشيخ الجليل محمد بن يعقوب الكلينى رضى الله عنه

ترقیمہ ... تمت كتاب العقل والتوحيد من كتاب الكافى ويتلوه كتاب الحجة الجزء الثانى
من كتاب الكافى تاليف الشيخ محمد بن يعقوب الكلينى رحمة الله وانا افوت هذا اما شيخنا
من شرح هذه الاحاديث المروية عن اصحاب العصمة وايمة الهداية واهل بيت النبوة
ومعادن العلم والحكمة سلام الله عليهم اجمعين وعلى جميع الانبياء والمرسلين وعلى
ساير الاولياء الكاملين والشهداء والصالحين واستغفر الله من كل مازل به القدم
وجرى به القلم من الاقاويل التى لا يوافق اعمالنا واستغفره من ما ادعيناه واظهرناه
من العلم الذى لا نزيد به وجه الله ومن كل ما دعانا اليه التصنع والتزين قول

سطرناه او كلام نظمناه او علم اوردناه نسأله ان يجعلنا واياكم معشر الاخوان ما علمنا
عاملين والوجه ربنا الكريم مريدين وان ينظمنا فى سلك احبائه المتقين و
يحشرنا مع اوليائه الصادقين وائمتنا الهادين المهديين صلى الله على نبينا وآله
اجمعين ويبشرنا برحمته منه ورضوان ولا يعاملنا بما يستحقه من المقت بسبب
العصيان وليتفضل علينا بما هو اهله من العفو والغفران والتجاوز والاحسان
بمنه وكرمه وسعة رحمته وجوده وكتبه بيده الفانية الجانية احقر خلق الله
وافقرهم الى عفو ربه حسين بن شاه محمد التريتى غفر الله له ولوالديه آمین۔

(محمد بن ابراہیم شیرازی کی شرح کی ایک جلد سالار جنگ کے کتب خانے میں بھی ہے، وہاں
ہادی بن محمد صالح المازندرانی کی بھی ایک شرح ہے جو صرف کتاب الصلوٰۃ کی ہے اور اسے بہت
نادر بتایا جاتا ہے۔)

کشکول۔ پیش نظر نسخہ ایک نہایت نادر کشکول ہے جسے گیارہویں صدی ہجری میں مرتب
کیا گیا، اس میں درج شدہ تاریخوں میں آخری تاریخ ۱۰۶۹ھ ہے، ابتدا میں بہاء الدین عاملی
کے دو مختصر رسالے ہیں، اس کے بعد ذکر انبیاء علیہم السلام کے عنوان سے بیس صفحوں کا ایک اور
مختصر رسالہ ہے، اس کے بعد مختلف شعراء کے اشعار درج کیے گئے ہیں، ان شعراء کے نام یہ ہیں:

(۱) فہمی، (۲) صائب (۳) امیرزادہ معظم (۴) ہمایوں بادشاہ (۵) غافل (۶) طالب
(۷) آصفی (۸) مرزا نظام (۹) مشہدی (۱۰) ابن نمیر (۱۱) وحشی (۱۲) مولانا نوعی (۱۳) فیضی
(۱۴) شامی (۱۵) عنصری مرزا فصیحی (۱۶) جمال الدین عبد الرزاق (۱۷) حلیم خاقانی (۱۸) خواجہ
حسین ثنائی (۱۹) سیف اسفرنگ (۲۰) ابو الفرج (۲۱) ظہوری (۲۲) محمد جان قدسی (۲۳)
میر ابراہیم ادہم (۲۴) غضنفر کلجاری (۲۵) میر رضی (۲۶) امیر ناصر خسرو رحمۃ اللہ علیہ (۲۷) خواجہ

نصیر علیہ الرحمہ (۲۸) ملا سالک (۲۹) میر سید حسن مشہور بہ نجفی (۳۰) شیدا (۳۱) ابو العلا گنجوی (۳۲) میر حیدر معما (۳۳) ملا جامی (۳۴) ملا ملک قمی وغیرہ، کلام شعراء کے علاوہ مختلف فرامین، مکتوبات، رسائل، دیباچے اور رقعات وغیرہ درج کیے گئے ہیں، جن میں کچھ کمیاب اور نادر ہیں، تفصیلی معلومات کے لیے ان میں سے چند کی سرخیاں نقل کی جاتی ہیں:

مکتوب خانخانان بملا نظیری، مکتوب سلطان سلیم بخدمت نواب اشرف، دیباچہ رسالہ کہ اعلیٰ حضرت فلاطون مرتبت کاشف اسرار حقیقت گیرندہ واقف حقیقت ظہر الاسلام مرزا محمد ابراہیم بران در فنون موسیقی تالیف و تصنیف فرمودہ اند، رسالہ در بیان عشق سنہ کتابت سنہ ۱۰۰۶ھ، کتابت از جانب حضرت اعلیٰ بہ شاہجہاں شاہزادہ خرم نوشتہ شدہ بتاریخ شہر شعبان سنہ ۱۰۳۶ھ، کتابت نواب مرزا طالب خاں اعتماد الدولہ سابق بخان عالم، کتابت اشرف بشاہزادہ شہریار سنہ ۱۰۳۶ھ، رقعہ کہ مرحوم نصیر ہمدانی در طلب اسطرلاب نوشتہ، کتابتی کہ حضرت شاہ جنت المکان علیین آشیانی بہ عبید خاں اوزبک نوشتہ اند، مسودہ کتابتی کہ از جانب نواب اشرف باعلیٰ حضرت خواندکار روم نوشتہ شدہ، دیباچہ کتابتی کہ بسلطان خرم نوشتہ شد، دیباچہ کتابت سلطان پرویز، کتابت مولانا سعد الدین ملا اعلیٰ حضرت سلطان مراد خواندکار روم کہ بہ نواب اشرف نوشتہ من بہجت المباہج، نقل از تاریخ اکبری، رقعہ کہ محمد موسیٰ بیگ وزیر کرمان بخواجہ عبد الرشید نوشتہ، صورت شقہ کہ از جانب اشرف بہ بادشاہ روم نوشتہ شدہ، شیخ ابو الفضل بہ شیخ حسن علی موصلی نوشتہ، نصائح حضرت امام الجن والانس علی بن موسیٰ رضا علیہ التحیہ والثنا بمامون حسب التماس وی، فرمان اکبر بادشاہ بخانخانان حکیم ابو الفتح بخانخانان نوشتہ، ظہوری در تعریف شیخ فیض نوشتہ، مرزا ہاشم وزیر کرمان بہ مرزا قاسم نوشتہ، فرمان اکبر بادشاہ در منع زکوٰۃ از منشآت شیخ ابو الفضل، دستور العمل امیر الامرا ملا محمود کہ مرحوم خان احمد نوشتہ، ایضاً خان احمد مرحوم در حاشیہ دستور العمل

وزارت خواجہ مسیح بخط شریف خود نوشتہ بودہ، خطبہ مدینۃ الانشا کہ مرحومی حکیم طفیل گیلانی نوشتہ، خاتمہ انتخاب خاقانی از شیخ ابو الفضل و خاتمہ دیوان انوری، خطبہ دیوان عمدۃ المتاخرین شیخ فیضی علیہ الرحمہ، کتابتی کہ شاہ سلیم بنواب ہمایوں اعلیٰ فرستادہ بود مولانا کامی نوشتہ بخدمت یکے از وزرا، دستور العمل محمد مومن عودی کہ نواب مرحومی خان احمد بخط خود نوشتہ بودہ، عریضہ کہ میر عبد الجلیل کوکہ بنواب خان احمد نوشتہ، جواب عریضہ کہ نواب مرحوم خان احمد بخط خود بملا ظہوری نوشتہ، ملا ظہوری در تعریف ملا عرفی نوشتہ، رقعہ نصیرا، سواد خطبہ کہ مرحومی نصیرا در جواب سوال اہل ہند نوشتہ، رقعہ کہ در منع شراب مولانا نصیرا نوشتہ، نواب خان احمد بہ مولانا کمال الدین حسین حکیم نوشتہ بود، صورت کتابت درویش محمد پاشا حاکم دار السلام بغداد کہ بعد از تحقیق مصالح نواب حشمت و شوکت پناہ سارو خان نوشتہ، صورت کتابت درویش محمد پاشاہ حاکم دار السلام بغداد کہ مصحوب شاہ نظر آقا صحبت فرستادہ بودند و کتابت را . . . . کہ نادرہ از شوق پاشا نذکور ارسال پایہ سریر خلافت مصیر شدہ، جواب کتابت وزیر اعظم کہ بایالت شاہ سارو خاں نوشتہ بود قاصد بپایہ سریر خلافت مصر عرض نمودہ بندگان اشرف بخط منشیان عطارد فطنت جواب نوشتہ سر بمہر مبارک اشرف نزد نواب خانی فرستادہ کہ نواب خانی مہر نمودہ فرستادہ بود کتابت کہ بعد از وفات سلطان مراد و جلوس سلطان ابراہیم، نواب . . . . شاہ سارو خاں نوشتہ، دیباچہ نورس ابراہیم عادل شاہ من منشآت ظہوری (ہر سہ دیباچہ موجود است) رسالہ زاد القیام قدوۃ الحکام امیر ناصر خسرو، رسالہ حسن و عشق فضولی، رسالہ حسن و دل فتاحی نیشاپوری وغیرہ . . . . .

شرح اربعین۔ شارح محمد بن علی المشتہر بابن خاتون العاملی و کاتب محمد صادق ابن شیخ . . . . سنہ کتابت سنہ ۱۰۷۶ھ اوراق ۲۲۹ سطور، فی صفحہ ۲۶ خط نسخ مجلد چند صفحات

کرم خوردہ،

ابتدا: بسم اللہ الرحمن الرحیم۔

ای از تو حدیث معرفت راتبین دی ترجمہ وصف تو تنزیل مبین

گر شکر سہ آرایش عنوان نبرد تبلیغ رسالت نہ کند روح امین

بہتر حدیثی کہ مجلس آرایان انجمن یقین را سر لوح کتاب قرین بجواہر حقائق آں تواند بود

ودزیباتر کلامی کہ گلچینان حدائق دین را خار شبہ دریں از گلدستہ عقائد تواند بود

خاتمہ و ترقیمہ: ـ از تحفنات عالم فلکی سزاوار است کہ تصدیق تمالی آنجماعۃ نیز در انجم خبر

میدہند از اں اسرار عالم قدوسی ملکوتی واللہ وکیل علی...... من المنقول اند ولی الخیر

وملہم الصواب وبیدہ مفاتیح الابواب وہا انا اختم الکلام حامداً الیہ علی توفیق الاتمام.....

سید الانام وآلہ البررۃ الکرام سلماً مستغفراً کثیراً کثیرا۔ تم والحمد للہ علی ما وفقنی باتمامہ فی

یوم الثلثا غرہ شہر رمضان المبارک ۱۰۷۰ھ ...... العبد الضعیف محمد صادق ابن

شیخ...... عفی اللہ ورسولہ عنہما وبقاربہا۔

رسالہ در حکمت۔ از مولوی عبد الحق خیر آبادی، ضخامت ۲۳۶ صفحات، تعداد سطور

فی صفحہ ۱۷، کاتب نامعلوم۔

ابتدا: بسم اللہ الرحمن الرحیم۔ یا واجب الوجود یا مفیض الخیر والجود

علی کل موجود ویا غایۃ کل مقصود خصص سید انبیائک واکرام اولیائک

واصفیائک محمد المبعوث الی العرب والعجم صلی اللہ علیہ وسلم بافضل صلوتک

وآلہ واصحابہ باطیب تحیاتک وبعد فیقول العبد المفتقر الی رحمۃ ربہ

الہادی محمد عبد الحق العمری الخیرآبادی عاملہ اللہ بفضلہ الساری فی العواقب

والمبادی انہ لما کان کمال الانسان ہو الاتصال بالمعقولات والتجرد عن المادیات

وذالک لا یحصل الا بتحصیل الحکمۃ الالہیۃ والمعارف الربوبیۃ اذ بہ تتصل

النفس الانسانیۃ بالملأ الاعلیٰ وہی السعادۃ القصوی ولم یشتہر فی زماننا

کتاب مشتمل علی مباحثہا الشریفہ......

خاتمہ: ولا یقال لمن عوقب فی الشیخوخۃ بالجنایۃ الی صدرت عنہ فی

الشباب انہ عقاب لغیر الجانی مع تبدل ہیئتہ وصورتہ حشرنا اللہ تعالی

فی زمرۃ الاتقیاء وجعلنا من السعداء وصلی اللہ تعالی علی خیر خلقہ محمد

وآلہ الطاہرین واصحابہ الذین شادوا الدین وآخر دعوانا الحمد للہ رب العلمین۔

جامع عباسی۔ مصنف: بہاء الدین محمد عاملی، شیعی فقہ کی مشہور کتاب ہے،

ضخامت (۱۴۵) اوراق سطور فی صفحہ ۱۵۔ نسخہ مکمل، نام کاتب وسنہ کتابت نامعلوم

زیر نظر کتاب بیس ابواب پر مشتمل ہے،

ابتدا۔ بسم اللہ الرحمن الرحیم۔ الحمد للہ رب العلمین والصلوۃ والتسلیم علی

اشرف الاولین والآخرین محمد سید المرسلین وعلی ابن ابی طالب امیر المومنین

وافضل الوصیین واولادہما الائمۃ الطاہرین صلوات اللہ وسلامہ علیہم اجمعین

خاتمہ: ...... امامیانہ مجتہدین خلاف است بعضی برانند کہ دریں وقت

کل مبلغی کہ وجہ اجارہ اوست بوارث او میرسد واللہ اعلم بالصواب۔

شرح ملہم۔ شارح مولوی اشرف بردوانی۔ ناقص از آخر۔ صفحات ۱۱۲

اوراق تعداد سطور فی صفحہ ۱۵۔ خط معمولی نستعلیق۔ زبان عربی۔

ابتدا: رب یسر بسم اللہ الرحمن الرحیم وتمم بالخیر۔ سبحان من اخرج

الجائزات من کتم العدم الی ساحۃ الوجود ووضع علیہا موائد صنوف الکرم والواع الوجود وابداع النفوس الکاملۃ لھدایۃ العالمین۔

خاتمہ۔....... دون الاول وکذا التصدیق فانہ مقصود النفس ومطلوب بالبرہان.......

مضمون کی طوالت کو مدنظر رکھتے ہوئے اتنی ہی کتابوں کے ذکر پر اکتفا کیا جاتا ہے دوسرے قلمی نسخوں کا انشاء اللہ پھر کبھی تعارف کرا سکوں گا۔

ہندوستان عربوں کی نظر میں

حصۂ اول و دوم

اس میں ہندوستان کے متعلق قدیم عربی مصنفین خصوصاً عرب جغرافیہ نویسوں، سیاحوں اور مورخین کی کتابوں، سفرناموں اور تاریخوں میں جو مواد پھیلا ہوا ہے اسکو پوری دیدہ ریزی کے ساتھ دو جلدوں میں جمع کر دیا گیا ہے اور اسی کے بالمقابل دوسرے کالم میں اس کا اردو ترجمہ بھی کر دیا گیا ہے،

پہلی جلد میں ابن خرداذبہ، سلیمان تاجر، ابوزید سیرافی، بلاذری، یعقوبی، ابن فقیہ ہمدانی، ابن رستہ بزرگ ابن شہریار، مسعودی، مطہر مقدسی، اصطخری اور بشاری مقدسی کے اقتباسات اور ان کا اردو ترجمہ ہے۔

صفحات ۴۰۴ قیمت :- مجلد ۸/ غیر مجلد ۷/

دوسری جلد میں ابن ندیم، عبدالقادر بغدادی، قاضی صاعد اندلسی، عبدالکریم شہرستانی، قاضی رشید ادریسی، ابن ابی اصیبعہ، ابن بطوطہ، قلقشندی وغیرہ کی کتابوں اور سفرناموں کے اقتباسات اور ان کا اردو ترجمہ ہے، ضخامت ۹۰۴ قیمت ۸/ مجلد ۹/

منیجر

محمد بن تغلق کی فلسفہ پرستی

از جناب شبیر احمد خاں صاحب غوری ایم اے، ایل ایل بی رجسٹرار امتحانات عربی و فارسی اتر پردیش

محمد بن تغلق کی عقلیت پرستی اور تفلسف پسندی تاریخ کا ایک مشہور و معروف واقعہ ہے، ہمعصر مورخین اور سیاحوں نے اس کی جو تفصیلات دی ہیں، ان کے پیش نظر اس "معقولات فلسفہ" کی نوعیت میں کوئی ابہام نہیں رہ جاتا جس میں اس کو اس درجہ توغل و انہماک تھا، لیکن عہد حاضر میں اس جانی پہچانی حقیقت کی نئی توجیہات و توضیحات پیش کی گئی ہیں، جو تاریخ افکار کے ماہرین کے لیے نئی دعوتِ فکر و نظر ثابت ہوں گی۔

مثلاً ابن بطوطہ نے اپنے "سفرنامہ" میں جہاں سلطان تونس کے اشتغال علمی کا ذکر کیا ہے کہ روزانہ بعد نماز فجر اس کے یہاں علمی مجالس منعقد ہوا کرتی تھیں، جن میں تفسیر، حدیث، فقہ کی اور تصوف کی کتابیں پڑھی جاتی تھیں، اور جن میں وہ بنفس نفیس حصہ لیا کرتا تھا، وہیں اس نے دوسرے ممالک اسلامیہ کے سلاطین کے علمی اشغال بھی قلمبند کیے ہیں، اور لکھا ہے کہ میں نے بادشاہ ہند کے یہاں نماز فجر کے بعد خاص طور سے "علوم معقولات" کے مذاکرہ کا رواج دیکھا ہے۔

فقد رأیت ملک الہند یتذاکرون بین یدیہ بعد صلوۃ الصبح فی العلوم المعقولات خاصۃ ۔" (رحلہ ابن بطوطہ مطبوعہ قاہرہ المجلد الثانی ص ۲۲)

ابن بطوطہ کی اس یادداشت پر جناب ڈاکٹر آغا سید مہدی حسین صاحب پی جی سی ایس رجسٹرار اسکا

نے حسب ذیل تبصرہ فرمایا ہے :-

"سفرنامہ ابن بطوطہ میں ان فلسفیوں کے نام کی صراحت نہیں ہے، جن کے ساتھ بادشاہ فلسفیانہ مسائل پر گفتگو کیا کرتا تھا، لیکن یہاں وہاں حوالوں کی بھی کمی نہیں ہے"[1]

ان جستہ جستہ حوالوں کی توضیح میں جناب ڈاکٹر صاحب نے حاشیہ میں "سفرنامہ ابن بطوطہ" کے "ذکر السحرۃ الجوکیہ" کی حسب ذیل عبارت کا حوالہ دیا ہے :-

وھؤلاء الطائفۃ تظھر منھم عجائب ...... یخبرون بامور مغیبۃ والسلطان یعظمھم ویجالسھم
(رحلہ ابن بطوطہ ص ۱۲۳)

اور ان لوگوں سے عجیب و غریب افعال ظہور میں آتے ہیں ... پوشیدہ باتوں کی خبر دیا کرتے ہیں اور بادشاہ انکی بہت زیادہ عزت و تکریم کیا کرتا ہے اور اپنی ہم نشینی کے شرف سے نوازتا ہے

آگے چل کر فرماتے ہیں :-

اور ان حوالوں کو اگر فتوح السلاطین کے متعلقہ اشعار نیز بادشاہ نے اپنی خود نوشت سوانح عمری میں جو اعتراف کیا ہے، اس کے ساتھ ملا کر مطالعہ کیا جائے تو ان فلاسفہ کی شخصیت کے بارے میں کوئی شک نہیں رہتا۔" (انگریزی ترجمہ ابن بطوطہ صفحہ ۲۶۶)

لیکن فتوح السلاطین کے جن اشعار (۱۱۲۳۹ - ۱۱۲۷۲) کی طرف انھوں نے اشارہ کیا ہے ان میں ہندو جوگیوں کا کوئی ذکر نہیں ملتا، ان کے ساتھ مجالست اور خلوت گزینی کا تو ذکر ہی کیا صرف دین اسلام کی زبوں حالی اور غیر مسلموں کی چیرہ دستی کا شکوہ ہے :-

مسلماں چو ہندو خراں در حصار شدہ ضبط ہندو سراسر دیار

---

[1] انگریزی ترجمہ رحلہ ابن بطوطہ از ڈاکٹر آغا سید مہدی حسین صاحب صفحہ ۲۶۶

بگشتہ ہمہ ملک گجرات ہم در و کفر افزون و اسلام کم

ہم آخر چو ظلم شہ از حد گذشت ہمہ ملک مرہٹہ از وی نیز گشت

خروجے بکردند باشاہ دوں کہ در کفر دیدند میلش فزوں

میرے پیش نظر "فتوح السلاطین" کا جو اڈیشن ہے اسے خود جناب ڈاکٹر صاحب کی تحریر و ترتیب کے مطابق جولائی ۱۹۳۷ء میں ہندوستانی اکیڈمی الہ آباد نے شائع کیا تھا، ممکن ہے آگرہ کا کوئی اور اڈیشن ہو، ویسے ڈاکٹر صاحب نے جو کچھ حاشیہ (۲) میں فرمایا ہے کہ

"عصامی نے سلطان پر اسلام سے منحرف ہونے کی بنا پر بڑی سختی سے نکیر و گرفت کی ہے وہ اس کے خلاف عوام کو بغاوت پر بھڑکاتا ہے، کیونکہ وہ ہندوؤں کے ساتھ مسلم آزاری میں ہمنوا ہو گیا ہے۔ نیز خلوت میں ہندو فقراء کے ساتھ ملتا جلتا ہے اور دل میں کافر ہو گیا ہے"

ان میں سے بعض باتیں عصامی نے ہندوستانی اکیڈمی الہ آباد والے اڈیشن کے صفحہ ۴۹۱ (ابیات ۹۶۳۷ - ۹۶۶۴) پر کہی ہیں۔ بالخصوص وہ اس کی ہندو نوازی اور جوگیوں کے ساتھ خلوت گزینی کے بارے میں لکھتا ہے :-

ز آئینِ اسلام سر تافتہ ابا زمرۂ کفر دریافتہ

برانداختہ رسم بانگِ نماز شب و روز ز اہل دین درگداز

جماعت بجمعہ در انداختہ ابا ہندواں ہو لیئے باختہ

ابا جوگیاں گشتہ خلوت گرا بدل راہ کفار را دادہ جا

لیکن خود فاضل محقق کو عصامی کے تشدد کا اعتراف ہے، نیز اس بات کا کہ یہ ساری نکیر و گرفت رائے عامہ کو بادشاہ کے خلاف آمادہ خروج و بغاوت کرنے کے لیے تھی۔[1]

---

[1] Isami is more outspoken. He denounces Sultan Mohammad as Kafir and urges a general revolt against him. He censures him for siding with the Hindus and for mixing privately with the Jogis. (Rise and fall of Mohammad bin Tughlaq. PP.174-175)

اس کے بعد یہ بات کہ عصامی کی یہ شہادت اس اہم مسئلہ میں کہاں تک مفید ہوسکتی ہے،
کسی مزید تبصرہ کی محتاج نہیں رہتی، بایں ہمہ وہ بڑے تیقن کے ساتھ فرماتے ہیں:۔

"علماء سے مایوس ہوکر اس نے چند فلسفیوں سے رجوع کیا اور انھیں اپنے دربار میں
بڑے عزت و احترام سے بلایا"۔ (انگریزی ترجمہ ابن بطوطہ ص ۲۶۶)

اس قیاس آرائی کی تائید میں انھوں نے محمد بن تغلق کی "خودنوشت سوانح عمری" کی حسب ذیل
عبارت کا ترجمہ دیا ہے۔

"علماء روزگار بحکم الضرورات تبیح المحظورات بعضے زبان از گفتن حق بستہ بودند و غایت
حرص دست تصرف از آستین بے دینی کشیدہ و بطمع مناصب باطل بآں گروہ ہم داستان
گشتہ واز ایں سبب علوم دین از میاں امت برخاستہ۔ اما چوں مردم بالطبع
طالب علم اند نفس بے طلب علم قرار نمی یافت۔ اتفاقاً با طائفہ از متفلسفہ بزعم آنک
محی اند محافظت (؟ مخالطت) افتاد"۔

یہ استشہاد کہاں تک جناب ڈاکٹر صاحب کی قیاس آرائی کا موید ہوسکتا ہے، اسکی
تفصیل کا یہاں محل نہیں ہے، مگر انھوں نے اتنے ہی پر اکتفا نہیں کیا، ہمعصر ماخذ و مصادر
کے بجائے عہد حاضر کی چند غیر متعلق تصنیفات پر غیر مشروط اعتماد کرکے ان "فلاسفہ" کے ناموں
کی تفصیل بھی دیدی، فرماتے ہیں:۔

"یہ فلاسفہ جن پربھ سوری، جن دیو سوری، سدھا کرتی اور دوسرے فقرا اور جوگیوں
کے علاوہ اور کوئی نہیں تھے جن کا بیکانیر کے کھرتار گچا معاصر نظموں میں ذکر ہے"۔

اگرچہ خود انھیں ان نظموں کے متعلق یقین ہے کہ

بڑھا بھی دیتے ہیں کچھ زیب داستاں کے لیے

پھر بھی وہ ان کے مندرجات و مضامین پر اس درجہ اعتماد کرتے ہیں کہ اس کے بعد انھوں نے متقدمین
و متاخرین کی تصریحات تک کو در خور اعتنا سمجھنے کی زحمت نہیں فرمائی، مقامی اور بیرونی تحریکات
کے سیاق سباق میں اس قیاس آرائی پر نظرثانی کرنے کا تو ذکر ہی کیا۔

یہ صورت حال ۱۹۵۱ء میں تھی جب کہ وہ رحلہ ابن بطوطہ کا انگریزی ترجمہ مرتب کررہے تھے
حال میں آل انڈیا اسلامک اسٹڈیز کانفرنس کے چوتھے اجتماع منعقدہ حیدر آباد
۲۵ دسمبر ۱۹۶۴ء کے موقعہ پر انھوں نے ایک مقالہ

Sultan Mohammad bin Tughlaq among The Jogis

کے عنوان سے پڑھا، مجھے اس فاضلانہ مقالہ کے سننے کا تو شرف حاصل نہیں ہوا، البتہ اس کا ملخص
میرے سامنے ہے، اس میں فاضل مقالہ نگار نے اپنی کاوش و تحقیقات کا خلاصہ دیا ہے،
جس کی تفصیل حسب ذیل ہے:۔

ا۔ "فتوح السلاطین" کے ابیات ۹۷۴۸-۹۷۵۶ [غالباً الہ آباد اڈیشن کے ابیات
۹۶۳۷-۹۶۶۴] کی شرح ہے۔

ب۔ لفظ "جوگی" کی تعریف اور اسکے قدیم (قرون وسطی کے) اور جدید مصادیق۔

ج۔ "جوگی" کی بنیادی تعریف کی سفرنامہ ابن بطوطہ سے تائید۔

د۔ ابن بطوطہ اور عصامی نے جو اپنی اپنی تصانیف میں محمد بن تغلق کی نفسیات ورجحانات
کا تذکرہ کیا ہے، ان کا باہمی موازنہ۔

ہ۔ آخر میں انھوں نے اس سلسلے کے تمام مواد پر جن تک ان کی رسائی ہوسکی ہے
محمد بن تغلق کے عہد کے سنسکرت کتبات کی روشنی میں نظرثانی کی ہے، ان میں سے دو کتبوں
کو بعینہ نقل کرنے کے بعد ان سے نتائج اخذ کیے ہیں

"محمد بن تغلق کے عروج و زوال" (Rise and Fall of Mohammed bin Tughlaq) میں بھی انھوں نے دو سنسکرت کتبوں کا ترجمہ دیا ہے۔ معلوم نہیں انھیں دونوں کتبوں کو انھوں نے یہاں بھی دہرایا ہے یا اور کوئی نئے دو کتبے دریافت کیے ہیں۔ بہرحال پچھلے دو کتبوں میں سے پہلے کے جو ۳ر بھادر بدی سمبت ۱۳۸۴ وکرم (مطابق ۷ر اگست ۱۳۲۷ء) کا ہے، صرف پانچویں چھند میں محمود شاہی (محمد شاہ) کی مشرقی انداز میں مبالغہ آمیز تعریف ہے، اسی طرح دوسرے کتبہ کے جو غالباً سہ شنبہ ۵ر پھاگن شدی سمبت ۱۳۸۴ وکرم (مطابق ۷ر فروری ۱۳۲۸ء) کا مکتوبہ ہے، چھٹے چھنڈ میں حکمران وقت کا نام "سری محمد ساہی" بتایا گیا ہے۔

اس کے بعد فرماتے ہیں کہ میں نے لفظ "جوگی" کی بڑی احتیاط سے تحقیق کی ہے، اور اس سلسلہ میں بھگوت گیتا سے جو معلومات حاصل ہو سکیں، ان سے استفادہ کیا ہے، اس سلسلہ میں ان کی تحقیقات کا ماحصل حسب ذیل ہے:-

(ا) گیتا کا "جوگ"، اسلام کی "نماز" کی نظیر ہے۔

(ب) جس جوگ کو ضیاء الدین برنی نے محمد بن تغلق کے سلسلے میں بیان کیا ہے یا جو اس کی سیرت میں نمایاں نظر آتا ہے وہ گیتا میں مذکور جوگ کی مختلف قسموں میں سے "گیان جوگ" ہے۔[1]

(ج) سلطان محمد کے جین پربھو سوری اور اس کے رفقاء کے ساتھ بڑے دوستانہ تعلقات تھے اور وہ ایک دوسرے کی زبان سمجھتے تھے۔

(د) بلکہ غالباً سلطان محمد سنسکرت جانتا تھا اور اس نے ہندو اور جین مت کی مذہبی کتابوں کا مطالعہ بھی کیا تھا، اور یقیناً ان میں ایسی دلکش باتیں بھی تھیں جنھوں نے سلطان کو

1 "And Jog in the Gita being of different kinds that which he speaks Mohammad bin Tughlaq as depicted by Ziauddin Barani or that which finds illustration in the character of Mohammad bin Tughlaq is gyan Jog."

اپنا گرویدہ بنالیا تھا۔

(ہ) یہ دلکش باتیں حسب تصریح فاضل محقق "گیتا" کے ادھیائے ۲، چھند ۵، ۱۳ ہوں گی۔

(و) آخر میں انھوں نے گیتا کے ادھیائے ۱۳ چھند ۱۷ کو آیت قرآنی "اللہ نور السموٰت والارض" کی اور ادھیائے ۱۰، ۵ چھند ۳۳ کو فاینما تولوا فثم وجہ اللہ کی نظیر بتایا ہے۔

ان میں سے پہلی اور آخری تحقیق تو غیر ضروری بحث و مناظرہ کے دروازے کو کھولتی ہے، جس کی تفصیل علمائے کرام کے ذمہ ہے یا پھر مذاہب کے تقابلی مطالعہ کے ماہرین خصوصی کا منصب ہے۔ تیسری اور چوتھی تحقیق پر مورخین روشنی ڈالیں گے، اور جب تک ان دعاوی کا قطعی ثبوت بہم نہیں پہنچ جاتا، ان پر پانچویں تحقیق کی تعمیر ایک دل خوش کن مفروضہ سے زیادہ قرار نہیں دی جا سکتی۔

البتہ دوسری تحقیق محل نظر ہے، اور یہ عاجز، فاضل مقالہ نگار کی علمی خدمات بالخصوص "فتوح السلاطین" کی اشاعت کے سلسلے میں ان کی کاوش و تحقیق کا رہین منت ہونے کے باوجود ہنوز خود کو ان کی اس رائے گرامی کے ساتھ متفق بنانے میں قاصر رہا ہے کہ

"جس جوگ کو ضیاء الدین برنی نے محمد بن تغلق کے سلسلے میں بیان کیا ہے یا جو اس کی سیرت میں نمایاں نظر آتا ہے وہ گیان جوگ ہے"۔

میں فاضل مقالہ نگار کی اس رائے سے یقیناً متفق ہوں کہ

"سلطان محمد بن تغلق کی جوگیوں کے ساتھ مخالطت عبث اور بیکار نہیں تھی، نہ وہ ان کے کرتبوں سے دل بہلانے کے لیے تھی، نہ جیسا کہ عصامی کہتا ہے کہ وہ ان کے ساتھ محض وقت برباد کرنے کے لیے یا اپنے اخلاق تباہ کرنے کے لیے میل جول رکھتا تھا۔"

لیکن جس جوگ کو وہ ان سے حاصل کرنے کا متمنی تھا، وہ "گیان جوگ" نہیں تھا، بلکہ "شکتی جوگ" تھا، جس کی اس کے ہوس اقتدار کو علم و عرفان سے زیادہ ضرورت تھی۔

ویسے میں فاضل محقق کا اصل مقالہ شائع ہونے کے بعد ایک مرتبہ پھر خود کو ان کی رائے عالی کا متبع بنانے کی کوشش کرونگا۔

کلام اجمل

یعنی

مسیح الملک حکیم اجمل خاں کی فارسی شاعری

از

جناب پروفیسر نیر واسطی لاہور

حکیم اجمل خاں صاحب کا مجموعۂ کلام عرصہ ہوا دیوان شیدا کے نام سے چھپکر شائع ہو چکا ہے، مگر اس کو اتنا زمانہ گذر چکا ہے کہ شاید اس کی یاد لوگوں کے حافظہ سے فراموش ہو چکی ہو، اس لیے اس کو تازہ رکھنے کے لیے مختصر تبصرہ کے ساتھ ان کے کلام کے مختلف نمونے پیش کیے جاتے ہیں (م)

یادش بخیر، آج سے ساٹھ ستر سال پہلے ملک کے پڑھے لکھے گھرانوں میں فارسی زبان کا عام رواج تھا حتی کہ عام دستاویزیں فارسی زبان یا فارسی نما اردو میں لکھی جاتی تھیں اور اطباء کے یہاں فارسی زبان میں نسخہ نویسی کا سلسلہ تو آج تک جاری ہے۔

مسیح الملک حکیم اجمل خاں مرحوم جو شیدا تخلص فرماتے تھے، دلّی کے ایک بہت بڑے علمی گھرانے کے چشم و چراغ بھی تھے اور عظیم طبیب بھی، جن کے اسلاف نے فارسی زبان میں صدہا کتابیں لکھی ہیں، پھر فارسی زبان اس لیے بھی آپ کے گھرانے میں رائج رہی کہ آپ کے خاندان کا تعلق براہ راست خاندان شہنشاہانِ مغلیہ سے رہا، اور تاریخ ہمیں بتاتی ہے کہ آپ کے اسلاف اولاً سمرقند سے

ہندوستان آئے جو ہمیشہ سے فارسی علم و ادب کے علماء اور فضلاء کا مرکز فیض بنا رہا ہے۔

یوں بھی حکیم اجمل خاں مرحوم کے زمانے کی دلی ان کے دور میں فارسی علم و ادب کا گہوارہ بنی ہوئی تھی، اور حسن اتفاق یہ ہے کہ حکیم صاحب مرحوم کو غالب کی ہمسائگی کا شرف بھی حاصل تھا، اور شاید یہی وجہ ہے کہ ان کے کلام میں وہ تمام خصوصیات بدرجۂ اتم موجود ہیں جو اس دور میں غالب اور غالب کی دلی کے حصے میں آئی تھیں۔

شاعری اور فن طب کا تعلق ہمیشہ سے چولی اور دامن کا رہا ہے، چنانچہ بو علی ابن سینا سے لیکر آج تک تقریباً ہر دور میں بڑے بڑے بلند پایہ شعرا اطباء کے حلقہ میں پائے جاتے رہے ہیں،[1] شاعری اسرارِ فطرت کی معرفت کا نام ہے، اور ایک طبیب سے زیادہ فطرت کے رازوں کا امین اور عارف کون ہو سکتا ہے؟

مسیح الملک حکیم اجمل خاں مرحوم بہت بڑے طبیب تھے اور بہت بڑے شاعر بھی، آپ کا مجموعۂ کلام جو دیوان شیدا کے نام سے برلن میں چھپا ہے وہ اس حقیقت پر شاہد عدل ہے، یہ دیوان آپ کی فارسی اور اردو غزلوں پر مشتمل ہے، اور شاید یہ جمالِ ہمنشیں کا اثر ہے کہ اس دیوان میں ان کی فارسی غزلوں کو وہی مقام بلند حاصل ہے جو غالب کی فارسی غزلیات کا خاص حصہ ہے۔

اس دیوان میں حکیم صاحب کی بہترین اردو غزلیں موجود ہیں، لیکن فارسی زبان میں آپنے جو غزلیات لکھیں ان کا مقام اور بھی بلند ہے۔

غزل کے مختلف حسین و جمیل عناصر ہیں، حکیم صاحب مرحوم نے ان میں سے تقریباً ہر ایک کی جانب توجہ فرمائی ہے، مثلاً آپ کے کلام میں رندی و مستی کے احساسات کو اس طرح بیان کیا گیا ہے۔

---

[1] ملاحظہ ہو، رشحات از حضرت علی بن حسین الواعظ الکاشفی از صفحہ ۲۲۰ تا ۳۲۰ مطبوعہ نولکشور، لکھنؤ۔

بادۂ گلگوں بیانگِ کوس خور — پشت پا زن چرخِ نیلی فام را

تا رہد شیدا از جور آسماں — ساقیا برخیز و پُر کن جام را

می کن بجام دستِ جم را فروغ دہ — یکسالہ ہم رواست چو در خم دو سالہ نیست

سوئے میخانہ قدم رنجہ بفرما کانجا — بادۂ مطرب و ساقی جوانے دارد

عشق برخیز کہ مستانہ صبا می آید — خوش پیامے ست کہ از زلف دوتا می آید

وزید بادِ نسیم و شگفت غنچہ بباغ — بباد دستِ جم را فروغ دہ زایاغ

صباحِ وصل رسید و گریخت شامِ فراق — فرود آر صراحی و بادہ از سرِ طاق

رندی و مستی کے ساتھ ساتھ اس شعر میں نغمگی کا سامان بھی ملاحظہ فرمایئے ؎

چناں محو شد در جمالِ تو عاشق — نہ ہشیار خیزد نہ غافل نشیند

چند نالہ ہائے فراق سنیئے ؎

چشم در فراقِ او گرمِ خوں چکانیہاست — دل بخاک و خوں غلطاں ست جانفشانیہاست

کس از حریمِ نازنینم نمی دہد — ہیچم خبر ز جانِ جہانم نمی دہد

طبیبِ دل کی خدمت میں داستانِ دردِ دل پہنچانے کی آرزو کا اظہار ملاحظہ فرمایئے

آں طبیبے کہ شفا یافت جہاں از نفسش — حالِ دردِ شبِ ہجراں کہ رساند بنفسش

راہِ عشق میں زاہدوں، واعظوں اور نصیحت گروں سے بیزاری کا انداز ملاحظہ ہو

ناصحاں ہستند از کیفِ جنونم بیخبر — منع از عشقش جنونِ عشق افزاید مرا

زاہدا چارۂ دردِ منِ دلریش بکن — بگذر از پند و بگو حسنِ جواں را چہ علاج

مرا گو زاہدا خوردمی در میکدہ زاہد — بدستے جامِ مے اول بدست زلفِ یار آخر

برو فقیہ و مپیچ دامِ وعظ از شیدا — کہ دیدہ است بسے زیں نمط نشیب و فراز

پیران میکدہ کی مدح سنیئے :

میکشاں را ز فلک ہیچ گزندے نرسد — کہ مئے ناب و در پیرِ مغانے دارند

مرا است عہد کہ با پیرِ میکدہ بستم — بجام بادۂ گلگوں بود مدام اند

بریز بادہ بجام و بسوز خرقۂ آز — ز شیخ بگذر و با پیرِ مے فروش بساز

بہ پیرِ صومعہ صد بار گفت پیرِ مغاں — نے رسی بحقیقت مگر ز راہِ مجاز

منزلِ عشق میں پروانے کی طرح خموشی سے جان دے دینا ہر روانِ منزلِ عشق کا قدیم دستور رہا ہے

یہ سوز و طپش حکیم صاحب کے کلام میں ملاحظہ فرمایئے ۔

تو ز دردِ ہجر فغاں مکن تو ز دیدہ اشک رواں مکن — تو نہانِ خویش عیاں مکن چو تو عاشقی بہ سخن درآ

آہ از دلِ شیدا تا بلب نمی آید — دردِ بے زبانیہاست اشک خونفشانیہاست

تو اے دل مدہ رائیگاں سوزِ خود را — چناں نالہ برکش کہ در دل نشیند

ز تو خواہم اے دردِ ہجراں فغانے — ز دل خیزد و نیز در دل نشیند

خلوتے باید کہ تا حالِ دلِ من بشنوی — حرف از راز محبت بر لبم می زنم

عشق میں جنوں سامانی کا عالم :-

گریبانت دوست من بیابان ست و پائے من — فراہم کردہ ام بہر جنوں ایں ساز و ساماں را

جنونِ کہنہ در سر دارم و از جا نمی خیزم — رسن در پائے وحشت کردہ ام زلفِ پریشاں را

ز بیتابی دل در دشتِ شیدا ہرزہ می گردد — پریشاں خاطرے، آشفتہ حالے، نا سامانے

نالہ سامانی کا منظر :-

فغاں از سینہ تا لب می رسد چوں اشک تا چشمم — نہاں در سینہ تا کے دارم آخر عشق سوزاں را

نظرے بہ بیت جبینِ من بدرت رسید جبینِ من — بلب ست جانِ حزینِ من لبِ خود کشا بسخن درآ

ضبط از دست بشد اشک رواں را چہ علاج   رخصت صبر بگفتیم فغاں را چہ علاج

جنوں سامانی کے مقصد کے تکمیل کا شوق

نسیم صبحدم برخیز و بازی کن بگیسویش   کہ تا برہم زنم از صبر سامانے کہ من دارم

حیا پرست محبوب کی آمد کا انداز

مژدہ باد اے دل کہ باز آں دلستاں آید ہمے   در گلستانم بہار بے خزاں آید ہمے

ایں ہم اندر دلبری رسم ست آیاراں کہ او   آشنائے ہست و چوں بیگانگاں آید ہمے

گلرخے، لعلیں لبے، بادہ پرستے، مہوشے   کافرے، زاہد کشے، جادو بیاں آید ہمے

عالم بیخودی کی باتیں

امیدم در دل و دل در بزم مستانہ می رقصد   مگر مے، در خم و خم بر در میخانہ می رقصد

یاراں زراز سینہ مجو شیدا آشکار   آنجا شدم کہ رہم درہ یاد من نبود

در وصل بود جسم زجاں برکنار و نیز   جانِ فگار را خبر از حال تن نبود

ایک جگہ حضرت عشق کی کرامت کا حال اس طرح بیان ہوا ہے۔

فارغ از راحت و رنج دو جہانم کردی   مرحبا عشق کہ ہم ایں و ہم آنم کردی

دو نصیحتیں ملاحظہ کیجئے

قدحے نوش کن از دستِ جوانِ تازہ   تا رہی از غم پیری و چو شیدا باشی

طبیب می کند دوشب مرا نصیحت کرد   بدل چو داغ فریب ست از میش کن پاک

پارسائی سے بیزاری کا انداز

ترک مے گفتی و سجادہ گرفتی شیدا   لیکن ایں فصل گل و آب رواں را چہ علاج

دوش شیدا بہ در میکدہ از زاہد گفت   ایں مرقع کہ تو داری بخم اندر فگنش

جوانی کا ماتم

یاد ایامیکہ از دست بتاں   بر دلِ شیدا بسے بیداد رفت

یاد ایامیکہ فریاد و فغانے داشتم   بہر درد سینۂ سوزاں زبانے داشتم

اے خوشا وقتے کہ من از بہر تقدیم نیاز   ہم جبینے داشتم ہم آستانے داشتم

لذت از کامم نخواہد رفت تا آخر کہ من   ساغر ریحانی و دست جوانے داشتم

غیرتِ عشق کا اظہار

مگذر از من کہ رسی تا بشام دگراں   بوئے گیسوئے کسے از تو صبا می آید

تشبیہ کا رنگ

یا تبسم آشکارا کرد و دندانش ز لب   یا گہر ہا می نماید حلقۂ لعلِ مذاب

حکیم صاحب مرحوم کی اکثر غزلیں حافظ کے رنگ میں ڈوبی ہوئی ہیں، یہاں ایک غزل نقل کیجاتی ہے جو آپ نے حافظ کی ایک مشہور غزل کے اسلوب پر لکھی ہے۔

قلندرانِ درِ دوست تاجدار انند   پیادگانِ رہِ عشق شہسوار انند

درونِ میکدۂ عشق بے حجاب درآ   کہ مے کشانِ جمال تو راز دار انند

بہ پیر میکدہ گفتم کہ رہ نمائم شو   کہ زاہدانِ زمانہ فریب کار انند

بیا و بازنگاہے ز عشق بر افگن   شہید ناوک ناز تو بیقرار انند

غبار خاطرِ ایشاں بہ آب لطف نشاں   کہ زیر بام بلند تو خاکسار انند

نمے کنند علاج غم تو اے شیدا

فغاں کہ در پئے آزار غمگسار انند

ایک نہایت حسین دو ردیفوں والی غزل کے چند اشعار ملاحظہ ہوں

ہستی چناں کلالۂ مشکیں شکن شکن — کز بوئے او مشام جہاں شد ختن ختن

عمرے بسر شدست بہ ندی دلے خوشم — کز ما حکایتے ست بعالم دہن دہن

تیرے زدی ز چشم خونیت بدل بدل — آتش زدی ز برق ادایت بہ تن بہ تن

لے نو بہار تنگ در آغوش گیر مت — گیسوئے بر رخ فتادہ چو آئی چمن چمن

غرض حکیم صاحب کی فارسی شاعری میں وہ سب کچھ بدرجہ اتم موجود ہے جو عرفی، حافظ، خیام، امیر خسرو اور غالب کی شاعری میں ہے، لیکن حکیم صاحب شاعر کے علاوہ ایک بلند پایہ طبیب، عالم، ملک کے عظیم قائد اور رہنمائے ملت بھی تھے، اس لحاظ سے ان کے کلام میں عشق و جنون اور نالہ سامانی کے علاوہ اور جو کچھ بھی ہونا چاہیے وہ سب موجود ہے۔

ہر شاعر کی شاعری اس کے ماحول کی پیداوار اور اس کی زندگی کے حالات کی آئینہ ہوتی ہے، چنانچہ حکیم صاحب کی شاعری میں بھی ان کی زندگی کی سرگذشت اور ذاتی تاثرات کی جھلک جگہ جگہ دکھائی دیتی ہے

حکیم صاحب مرحوم شاعری میں جناب نواب شجاع الدین احمد خاں صاحب تاباں لوہاروی برادر بزرگ حضرت سائل دہلوی کے شاگرد تھے، اور حضرت تاباں اور جناب سائل دونوں بھائیوں کے درمیان شاعری میں معاصرانہ چشمک رہتی تھی، ایک موقع پر آپ اپنے استاد کی حمایت میں فرماتے ہیں

ہرگز فزن بہ بزم سخن لافِ شاعری — سائل تو ضرب سیلیٔ تاباں ندیدہ

پھر جب آپ کو معلوم ہوا کہ حضرت مرزا محمد علی خاں صاحب المتخلص بہ علی حضرت تاباں کے بجائے جناب سائل کے حلقۂ تلامذہ میں شامل ہو گئے تو آپ نے فرمایا

آدیکھی بدامنِ سائل جو اعلی — آنچہ شد کہ مرزا تاباں ندیدہ

ایک جگہ اپنے اور اپنے کلام کے بارے میں ارشاد فرماتے ہیں:

بیا اے بلبلِ آشفتہ سر زیں نقشہا بنگر — کہ رشکِ صد گلستاں ست داماں من دارم

بس ست بہر تو شیدا کہ در جہان آباد — حدیث فضلِ تو بر زندنا دیار و بقاع

اگرچہ عام شعراء کا کلام بھی طبی مصطلحات سے خالی نہیں ہوتا لیکن حکیم صاحب ایک بلند پایہ طبیب بھی تھے، اس لیے ان کے کلام میں اکثر و بیشتر طبی اصطلاحات پائی جاتی ہیں، اس کی مثالیں ملاحظہ ہوں۔

کار بیمار رسیدست بسامان کا مروز — بہر درد تش ز لب یار دوا مے آید

گردش چشم ز تو خواہم و ہم جنبش لب — کہ ز لب و چشم تو ام درد و دوا مے آید

جز مئی و مطربِ ساقی و گل و صحن چمن — غم دل را چہ دوا درد نہاں را چہ علاج

اس سلسلہ میں "صداع" کا لفظ خاص طور سے قابل توجہ ہے۔

سر مرا چہ دید جو بر پیر حریرخ صداع — دو داش بادۂ شوخ ست ساقی ست سماع

اپنی عام اور سیاسی زندگی میں جب آپ کو ہمرہان سست عناصر سے واسطہ پڑا تو فرمایا

ہیچ دستے را نمی بینم دریں میداں بکار — گوئے افتادست بے چوگاں سواراں را چہ شد

دوستوں کا گلہ

شیوۂ خود بینیٔ احباب خاطر را شکست — آشنائے از میاں گم گشت یاراں را چہ شد

مگیر خردہ و بگذر زبو الہوس شیدا — کہ بخت دعوی باطل بہ مغز خام اندر

اپنے اہل وطن یعنی خود دلی والوں سے اس طرح شکایت فرماتے ہیں۔

کہ زادم ایں جا و عزیزاں ہمہ زادند اینجا — د اندریں شہر مرا سایۂ دیوارے نیست

بازارِ جہاں میں اپنے خریداروں کے فقدان کی شکایت

پارۂ عمر کہ باقیست بباز ار جہاں
می فروشم گرش ہیچ خریدارے نیست

جب آپ کو کہیں کوئی غمخوار نہیں ملتا تو فرماتے ہیں

غمِ دل با کہ تواں گفت کہ غمخوارے نیست
ہمہ مستند دریں میکدہ ہشیارے نیست

حتی کہ دشمنوں کے ساتھ بھی دوستی کی طرح ڈالتے ہیں

بادشمناں سزد کہ بسازم دریں جہاں
دردے کہ می رسد بمن از دوستاں مپرس

جب محبت کے دیار میں مومن دکا فردونوں سے مایوسی ہوتی ہے تو فرماتے ہیں

ہیچ رشید ار اللہ حاصل ازیں
بست بر ہندوئے زنار ہم

عالم اسلام اور مسلمانوں کی پریشان حالی سے آپ کا تاثر ان دو شعروں میں ملاحظہ فرمائیے

در پئے اسلامیاں بینم ہمی
آسیائے گردشِ ایام را

اسیری شد شعار ہند و مصر و مغربِ اقصیٰ
غلامی شیوۂ نجد و حجاز و شام می بینم

جب غلغلہ ای انور پاشا اسلام کے جنود قاہرہ کو لیکر طرابلس کے میدان میں اترے تو

فرمایا

بشوائے اشک شادی نقشِ غم از سینۂ شیدا
کہ تاباں از افق اکنوں مہِ اسلام می بینم

پھر جب ہندوستان میں تحریک خلافت اور تحریک آزادی ہند کا غلغلہ بلند ہوا تو فرمایا

بہار ست و مرا غمگسارے می رسد اکنوں
کہ کوبم باز از دستِ جنوں در ہائے زنداں را

عاجزی اور خاکساری

بر بوریا نشیں و کلاہِ نمد بپوش
وز تختِ خسرواں و کلاہ کیاں مپرس

دنیا کی بے ثباتی کے تاثرات ان کے کلام میں بہت ملتے ہیں۔

ہمچو من دریں سرائے بے ثبات
ہر کہ آمد با دلِ ناشاد رفت

بر سرِ تربت حکیمے بزنگاشت
می برد عاقل ازیں ویرانہ فیض

گر فہم آنکہ رسیدی زخاک تا افلاک
چہ عاقبت نگری نیست جائے تو جز خاک

تو بر جمالِ خویش مناز اے فلاں کہ ہست
در خندۂ کمال نہاں گریۂ زوال

از گورِ جم بگوشِ جہاں بانگ می رسد
کو افسر و کلاہ و کجا حشمت جلال

اور ایک جگہ دوستوں کی جدائی کا ماتم ملاحظہ کیجیے،

با کہ گویم رازِ عشقِ خویشتن
شد ز دہلی فیضیؔ[1] غمخوار ہم

نعتیہ اشعار کا نمونہ

توئی کہ ہفت فلک بر وجودِ تو نازد
کہ ذاتِ پاک تو آمد مظہرِ لولاک

اے گلِ باغ کن فکاں اے نازشِ جہاں
ہر گل گلبنِ زماں از تو گرفت رنگ و بو

حور و ملک و انس و جاں خلقِ زمین و آسماں
ہر چہ کہ ہست در جہاں می کند از تو گفتگو

استغفار اور انابت

یارب خطا مگیر کہ در دہر ہیچکس
ناکردہ گناہ بعید شباب نیست

خدایا کشتیم گردابِ عصیاں می کشد اکنوں
تو رستم دہ کہ کار من زدست ناخدا جستہ

اللہ تعالیٰ مرحوم کی اس دعا کو قبول فرمائے اور ان کو اپنے جوار رحمت میں جگہ دے۔

حکیم اجمل خاں مرحوم کی صورت میں ہم سے دنیائے طب کا ایک عظیم طبیب ہی جدا نہیں ہوا، بلکہ ایک جلیل القدر شاعر بھی رخصت ہو گیا، جو حافظؔ و عرفیؔ کی یادگار، امیر خسروؔ کی دلی کی بہار، غالبؔ کا ہمسایہ، اس کے شہر کی آبرو اور یادگار تھا۔

نور اللہ مرقدہ و تغمدہ بغفرانہ

---

[1] فیضی سے مراد نواب فیض احمد خاں فیض دہلوی ہیں۔

آثارِ علمیہ و ادبیہ

مکاتیب عماد الملک سید حسین بلگرامی

بنام

مولانا شبلی رحمۃ اللہ علیہ

فاضل شہیر سید حسین صاحب مرحوم بلگرامی نے کلام مجید کے چند پاروں کا ترجمہ انگریزی میں کیا تھا، اس سلسلہ میں وہ علامہ شبلی مرحوم سے بھی وقتاً فوقتاً مشورہ کیا کرتے تھے، اور اپنے کام کی ان کو اطلاع دیتے رہتے تھے، یہ تاریخی خطوط اتفاق سے محفوظ رہ گئے تھے، اس لیے ان کو ناظرین معارف کی دلچسپی کے لیے شائع کیا جاتا ہے۔ "م"

۱۸ اپریل سنہ ۱۰ء بلگرام ہاؤس
حیدر آباد دکن

مخدومی مکرمی

آپ کا کرمت نامہ مورخہ ۱۲ اپریل پہنچا، میرے نزدیک آپ وہ پانچ ہزار روپیہ جمع رکھیے تو بہتر ہے، کیونکہ ترجمہ کے ختم ہونے پر اس کے طبع کے لیے رقم کی ضرورت ہوگی،

ایک الگ کتاب بطور مقدمہ کے لکھی جائے تو نہایت مناسب ہوگی، مگر لکھے گا کون، میں کبھی اس قسم کی جرأت نہیں کر سکتا۔ مجھے گالیاں سننا، تکفیر کے فتوے اپنے نام پر چل کرانا منظور نہیں ہے، آجکل کی تحقیقات کے موافق جو کوئی اعتراضات معترضین کا جواب دے گا، وہ آپ کے علما کے نزدیک اسلام سے خارج سمجھا جائے گا۔

مفضلیات کی قیمت کیا قرار پائے گی، ابھی معلوم نہیں ہے، قلیل عرصہ میں معلوم ہو جائے گا۔

شعر العجم کا دوسرا حصہ پہنچا، ابھی میں نے پڑھا نہیں ہے، سرسری ایک نظر دیکھ لیا ہے، تو ترتیب بہت عمدہ ہے، میں انشاء اللہ اس کو بالاستیعاب مطالعہ کروں گا،

آریا سماج کی دندان شکنی کے لیے آپ لوگ کیا تدبیر کر رہے ہیں، اس کی سخت ضرورت ہے، میں عنقریب تہران جانے والا ہوں اور وہاں سے مہابلیشور، مگر خط و کتابت کا سلسلہ حسب معمول حیدر آباد ہی سے جاری رہے گا، میرا صحیح پتہ اس کاغذ کے عنوان پر چھپا ہوا ہے۔

سید حسین بلگرامی

اگر کہیں عبید اور عامر بن طفیل کا کلام دستیاب ہو تو مجھے مطلع فرمائیے، ایک دوست ولایت میں ان دونوں شعراء جاہلیہ کا کلام چھاپنا چاہتے ہیں مگر نسخے ان کے پاس پُر از اغلاط ہیں،

خصائص ابن جنی کا نسخہ کہیں ملے تو یہاں میں چھپوادوں، یہاں ایک نسخہ ہے مگر نہایت غلط۔

۲۲ جون سنہ ۱۰ء بلگرامی ہاؤس حیدر آباد دکن

مخدومی مکرمی

میں اس وقت سورۂ بقرہ اور سورۂ آل عمران کے ترجمہ پر نظر ثانی کر رہا ہوں، بعد نظر ثانی انشاء اللہ آپ کی خدمت میں روانہ کر دوں گا۔

میں دیکھتا ہوں کہ بار بار نظر ڈالنے کی ضرورت ہے۔ نظر ثانی نہیں بلکہ نظر عاشر بھی ہو تو بعض مقامات پر اطمینان نہیں ہوتا، وہ مقام کا جو بظاہر نہایت آسان معلوم ہوتے ہیں، بطور نمونہ ذکر کرتا ہوں۔ سورۂ فاتحہ میں غیر المغضوب علیہم و لا الضالین کا ترجمہ دو طرح سے ہو سکتا ہے، علیٰ ہذا۔ سورہ بقرہ کی اول آیۃ کا ترجمہ دو طرح سے ہو سکتا ہے، ھذا کو مبتدا اور الکتاب کو خبر مانیں تو ایک طور سے ترجمہ ہوگا۔ اور اگر ھذا الکتاب کو مبتدا خیال کریں تو ترجمہ بدل جائیگا۔

اسی قسم کے شکوک پیدا ہوتے ہیں، اکثر تو ایسے ہیں جن میں خود مفسرین میں اختلاف ہے۔ ایسی صورتوں میں کس کی ہدایت کی متابعت کی جائے۔ میرا خط آپ کو پہنچ گیا ہوگا۔

تراجم سے مجکو زیادہ دلچسپی نہیں ہے۔ مگر ہوم کے حواشی اگر عمدہ ہیں تو البتہ دیکھنے کے لائق ہوں گے۔ میں کہیں سے پیدا کرکے دیکھوں گا۔

مجکو ایک بڑی دقت یہ درپیش ہے کہ میرا کوئی مددگار نہیں، اور نہ کاتب کوئی اچھا دستیاب ہوتا ہے، بہتر تو یہ ہوگا کہ ترجمہ صاف ہونے کے بعد ٹائپ کرلیا جائے تاکہ چھاپنے میں آسانی ہو، مگر ٹائپ کرنے والا اور ترجمہ کے وقت مدد دینے والا نہیں ملتا، اور ملا بھی تو معتدبہ اجرت سے ملے گا، سرکار سے کسی قسم کی مدد کی امید نہیں ہے۔

بہرحال کام چل رہا ہے، گو سرعت سے نہیں۔ کم ازکم دو سال کا کام ہے۔

ذرا خیال رکھیے، کہیں ذوالرمہ کا دیوان مل جائے تو خرید سے ہو یا بطور عاریت، ضرور دلوا دیجئے، انگلستان میں ایک صاحب چھاپنے کے لیے تصحیح کررہے ہیں، ان کو بڑی مدد ملے گی۔

افسوس ہے کہ ہم اپاہج لوگوں سے کچھ نہیں ہوتا، ہمارے کرنے کا کام غیر قوم کے لوگ کررہے ہیں۔

تصحیح اور تحشیہ کرنا اور طبع کرانا تو مشکل کام ہے، ہمارے لوگ تو نسخوں سے مدد دینے میں بھی دریغ کرتے ہیں۔ فقط

سید حسین بلگرامی

۲۳ اگست سنہ ۱۰ء، بلگرامی ہاؤس
حیدرآباد دکن

مخدومی مکرمی

میں ۳ نسخے ترجمہ سورۂ البقرہ کے آپ کے نام روانہ کرتا ہوں، سورۂ آل عمران

تمام ہوگیا، سورۂ نساء کا ترجمہ جاری ہے، مگر اس کو میں چھپوا نہیں سکتا، اگرچہ چھپوانے کے بعد تصحیح میں آسانی ہوتی ہے، یہ ترجمہ جو آپ کے پاس پہنچے گا ابھی ایک اور نظر غائر کا محتاج ہے، بعض مقامات میں ہم کو اطمینان نہیں ہے۔

حتی الامکان ترجمہ لفظ بلفظ کیا گیا ہے اور نتیجہ اس کا یہ ہوگا کہ چھاپنے کے وقت صفحہ کے پائیں کچھ حواشی لکھنا پڑیں گے۔

انگریزی ترجمہ روزمرہ کی انگریزی میں نہیں ہے، اس کی قدر وہی کرسکتا ہے جو زبان انگریزی پر قابو رکھتا ہو، اور اس کے ادبیات سے واقف ہو، عام معمولی انگریزی داں کے کام کا نہیں ہے۔

میرے خیال میں ایک سال سے پندرہ مہینہ تک میں یہ کام پورا ہوجائے گا۔

افسوس ہے کہ یہاں کوئی ایسا فاضل نہیں ہے جس سے مشکل مقامات کی نسبت مشورہ کرسکوں۔

اگر لفظی ترجمہ کا ارادہ نہ کیا ہوتا تو کام بہت آسان ہوجاتا مگر میں اپنے آپ کو اس کا مجاز نہیں سمجھتا کہ اپنی سمجھ کے موافق مطلب ہی مطلب انگریزی زبان میں ادا کروں۔

دوسری سورتوں کو بعوض چھاپنے کے ٹائپ میں لکھوانے کا ارادہ ہے، اس میں خرچ کم ہوگا۔

آپ اگر مطبوعہ نسخوں کو خود ہی ملاحظہ کریں اور دوسرے علماء سے بھی جستجو کرکے مجھے مطلع کریں تو میں بہت ممنون ہوں گا، اگر کہیں مجھ سے غلطی ہوگئی ہو تو اس کی اصلاح ہوسکتی ہے، کیونکہ چھپنے کے لیے ابھی بہت زمانہ چاہیے۔

میرا مزاج آجکل کسی قدر نادرست ہے، مگر انشاء اللہ دو چار روز میں امید ہے کہ پھر دن بھر کام کرنے کے لائق ہوجاؤں گا، اب بھی کچھ نہ کچھ کام روز ہوتا ہے۔ فقط

سید حسین بلگرامی

۴؍ستمبر [illegible]ء، بلگرامی ہاؤس حیدر آباد دکن

مخدومی مکرمی

مرحمت نامہ پہنچا۔ اس سے قبل کا ایک مراسلہ بھی آپ کا جواب طلب تھا۔

جن کتابوں کی مجھے ضرورت ہے بذریعہ ویلیو پی ایبل پارسل ضرور میرے نام روانہ کرا دیجئے۔

ترجمہ کا کام جاری ہے، مجھے افسوس ہے کہ میں نے آپ کو پہلا پارہ قبل از وقت بھیجدیا، اس میں اب جو میں نے اصلاحیں کی ہیں اُن کے پیش نظر میں بلا تصنع کہہ سکتا ہوں کہ نہایت عمدہ ہیں، بلکہ کوئی حرف رکھے تو کہہ دیجئے کہ "فاتوا بمثلہ ان کنتم صادقین" جو انگریز دیکھتا ہے وہ عش عش کرتا ہے، مگر یقین نہیں ہے کہ ہمارے لوگ اس کی قدر کریں گے، کیونکہ بہت کم لوگ زبان کی باریکیوں سے واقف ہیں۔

عرضداشت کا عمدہ لکھا جانا آپ کی مدد پر موقوف ہے، مجھ کمبخت پر جب تک کوئی مسلط نہ ہو تو مجھ سے کوئی بیرونی کام نہیں ہوتا، میں اس ترجمہ کے کام میں اب اتنا محو ہوں کہ مجھ سے اور کچھ نہیں ہوسکتا، اور یہ ایسا وقت طلب کام ہے کہ میرا ہی دل جانتا ہے۔ اور مدد کہیں سے کسی قسم کی نہیں ملتی ہے اور نہ مل سکتی ہے، اگر مجھے مقدور ہو تو میں مسودات کو چھپوا لینا چاہتا ہوں تاکہ نظر ثانی کرنے میں اور حواشی چڑھانے میں آسانی ہو۔

کتابوں میں سوائے ان کے جن کے نام میرے خط میں مذکور تھے، "ہومر" بھی ممکن ہو تو بھیج دیئے اور فرنچ شعرا کا ترجمہ۔ اگرچہ عمر تھوڑی باقی ہے مگر ہوس نہیں جاتی۔ فقط

سید حسین بلگرامی

۴؍اکتوبر [illegible]۔ مہدی منزل وقار آباد دکن

مکرمی

آپ کا مراسلہ مورخہ ۲۹؍ ماہ گذشتہ مجھے آج ملا معلوم ہوتا ہے حیدر آباد میں اٹکا رہا، فقط آپ کے تقاضے کی حاجت ہوتی تو میں تکلیف دینا گوارا نہ کرتا، مگر غالباً مضامین میں بھی رد و بدل کرنا پڑے گا، اور یہ بغیر آپ کی موجودگی کے ناممکن ہے۔

میں آپ کو وقار آباد والے مکان میں جگہ دے سکتا ہوں، ایک ہفتہ یہاں ٹھہرتے تو میں بھی یہیں آپ کے ساتھ ہوں گا، ہفتہ کے بعد پھر آپ حیدر آباد جا سکتے ہیں۔

سورۃ النسا ابتک ختم نہیں ہوا، اگرچہ اب بہت ہی تھوڑا حصہ باقی رہ گیا ہے، بعض مقاموں میں جہاں شک واقع ہوتا ہے، موجودہ کتابوں سے شک نہیں مٹتا۔ میں نے جن کتابوں کی فرمائش کی ہے وہ جلد منگا دیجئے۔

۱۱۷ آیت میں اِنْ یدعون من دونہ الا انثا۔ ان کیا نافیہ نہیں ہے۔ اگر نافیہ نہیں ہے تو پھر استثنا کیسے ہے، موجودہ مواد سے حل نہیں ہوتا۔ شاید میں نحوی اور صرفی مسائل بھول گیا ہوں، اس ان کی حقیقت غالباً کچھ اور ہے۔

ترجمہ کی حالت یہ ہے کہ جب تک تین چار، پانچ مرتبہ نظر ثانی نہ ہو تشفی نہیں ہوتی، سورۂ بقرہ کو میں دوبارہ طبع کرا لوں گا تاکہ بطور نمونہ کے رہے، اگرچہ خرچ بہت ہوتا ہے۔

یہ ایک مشہور بات ہے اور ہر شخص کے نزدیک مسلّم ہے کہ توریت و انجیل کے قدیم انگریزی ترجمہ کے برابر کوئی کتاب بحیثیت ادب و انشاء انگریزی زبان میں نہیں ہے، جہانتک ممکن ہو اسکی تقلید کیجاتی ہے۔

سورۂ بقرہ کے نسخے جو آپنے تقسیم کیے ہیں، بعد لوگوں کے ملاحظہ کے آپکے پاس واپس آجائیں تو بہتر ہے۔

آپ کب تک یہاں آسکتے ہیں، مجھے اول سے معلوم ہو جائے تو بہتر ہے۔

سید حسین بلگرامی

میں کل یہاں سے حیدر آباد جاتا ہوں، دس روز یہاں قیام رہا، میرا مکان اور باغ یہاں نہایت عمدہ ہے، یعنی آرام اور تفریح کے واسطے، باقی کوئی عمارت، شان، شوکت تو نہیں ہے، اور ہو تو کہاں سے ہو۔

۱۹ر اکتوبر سنہ ۱۰ء۔ بلگرامی ہاؤس
حیدرآباد دکن

محذومی مکرمی

ترجمہ ابھی پاروز صاحب کو نہ دکھایئے۔ میں نے اول دو سورتوں کی بہت کچھ اصلاح کی ہے اور باقی دونوں سورے بھی تیار ہیں، میرا ارادہ ہے کہ ان کو یکجائی چھپوالوں، اگرچہ خرچ بہت ہوتا ہے، مگر پوری اصلاح بغیر اس کے نہیں ہوسکتی،

مولوی حمید صاحب کی تحریر کو میں بہت عزت کی نظر سے دیکھوں گا، اور جہانتک ممکن ہوگا اس کے نظر سے اصلاح کردوں گا۔

میں نے چار سال پیشتر مدراس کی سرکار سے کہا تھا کہ اگر وہ معقول تنخواہ دینے کا وعدہ کرتی تو میں ان کے لیے ایک پروفیسر عربی و فارسی ٹھہرا دوں گا، کیونکہ بحیثیت ممتحن ہونے کے مجھے معلوم ہے کہ سارے مدراس پریسیڈنسی میں کوئی ایک عالم نہیں ہے جو یونیورسٹی کو عربی و فارسی تعلیم میں مدد دے سکے، آپنے دیکھا ہوگا کہ دلی کا ایک اوباش شخص حیرت لقب آپ پر اور مجھ پر کیا منہہ کی آرہا ہے۔

انؔ کا ترجمہ میں نے تو ماے نافیہ کے معنوں میں کیا ہے، مگر ترجموں میں اور تفسیروں میں متروک پایا ہوں یہانتک کہ حصر کے معنی بھی شاہ صاحب کے ہاں یا مولوی نذیر احمد کے ہاں نہیں لیے ہیں۔

میری کتابیں کب تک پہنچ جائیں گی، مجھے ان کی سخت ضرورت ہے۔

روپیہ آپ ہرگز میرے پاس نہ بھیجئے، میں واپس کردوں گا، میں کسی انجمن، سوسائٹی سے مدد نہیں چاہتا، اگر میرا ترجمہ عمدہ ہوگا تو وہ آپ ہی اپنی مدد کرلے گا۔

یہاں بعض احباب کی رائے یہ ہے کہ میں چار سورتوں کا ترجمہ جو ختم ہوگیا ہے طبع کراکے شائع کردوں، آپ کی کیا رائے ہے۔ ایسا ارادہ اگر کیا جائے تو مجھے چند ہفتے حواشی چڑھانے میں لگیں گے، اور کام رک جائے گا۔

مشکل یہ ہے کہ یہاں کوئی مددگار نہیں ہے، کتابیں نکالنا، اور مقاماتِ ضروری کو ان میں دیکھنا سب مجھی کو کرنا پڑتا ہے اور اس وجہ سے کل تفاسیر موجودہ دیکھنے کی نوبت نہیں آتی۔

میں خصائص ابن جنی کے چھپوانے کی فکر میں ہوں، ایک نسخہ بہت عمدہ ہاتھ لگ گیا ہے، اگرچہ عاریۃً ہے، مجھے مستعار کتابوں سے کام لینا ابتدائے عمر سے آج تک گراں گزرتا رہا، اب بھی ناگوار ہوتا ہے مگر کیا کیا جائے۔

خصائص کا کوئی نسخہ ہندوستان میں کسی کے پاس ہو تو میں اس کی نقل کرالوں۔ ایسے جواہر ریزوں کا نہ شائع ہونا حیف کی بات ہے۔

آپ کب تک آسکیں گے، اگر آپ کے آنے میں دیر ہے تو عرضداشت میں جن مضامین کا اضافہ ہونا چاہیے وہ آپ قلمبند کرکے مجھے بھیجدیجئے، میں خود اپنی طرف سے کوئی مضمون اضافہ نہیں کرسکتا۔ ہاں عبارت کو معمول و دستور کے روش پر لادوں گا اور کسی قدر چست کردونگا۔ اگرچہ مجھے آجکل سوائے ترجمۂ قرآن مجید کے اور کچھ نہیں سوجھتا، یہاں اکثر ہارج امور پیش آجاتے ہیں جنسے نہایت ملال ہوتا ہے، مگر کیا کیا جائے، میں چاہتا ہوں کہ اکثر اوقات وقار آباد میں رہوں مگر اس قسم کے دواعی پیش آجاتے ہیں جنسے ناچار یہاں آنا پڑتا ہے۔ یا وقار آباد میں بھی یورپین مہمان لوگ آجاتے ہیں، اور وقت ضائع ہوتا ہے۔

سید حسین بلگرامی

۲ر دسمبر سنہ ۱۰ء۔ بلگرامی ہاؤس
حیدرآباد دکن

محذومی مکرمی

آپ کے اس طرف دو تین رقعے مختصر طور کے وصول ہوئے، اور مولوی حمید الدین صاحب کا نوٹ بھی سورہ الحمد پر ملا۔ میں ان کے نکات کی جہاں تک

ممکن ہوگا پابندی کروں گا۔

باریک لغوی نکات کی پابندی وہیں تک کی جائے گی جہاں تک انسجام عبارت میں فرق نہ آوے۔

مجھے افسوس ہے کہ میں نے آپ کو اپنا ترجمہ قبل از وقت بھیجدیا، کیونکہ بہت سی تبدیلیاں جو بعد میں ہوئی ہیں ان سے بہت فرق ہوگیا ہے۔

کتاب ابتک تو نہیں پہنچی، پہنچے گی تو رقم دے کرلے لیجائے گی۔ رقم آپ واپس کردیں تو بہتر ہے۔ میں قبول نہیں کرسکتا، جس طرح سے ممکن ہوگا کام چلالوں گا۔

ترجمہ جاری ہے، مگر بیچ بیچ میں دوسرے امور مخل ہوجاتے ہیں، اسکا کوئی علاج نہیں، دوسری کتابیں کب تک آجائیں گی، یہاں ایک جاے اغانی کا پتہ چلا ہے، مگر سردست ملی نہیں۔

سید حسین بلگرامی

مکاتیب شبلی

حصہ اول و دوم

مولانا مرحوم کے دوستوں، عزیزوں، شاگردوں کے نام خطوط کا مجموعہ، جس میں مولانا کے قومی خیالات اور علمی، تعلیمی اور ادبی نکات ہیں، یہ درحقیقت مسلمانوں کی تیس برس کی تاریخ ہے۔

ضخامت ۱۹۴ صفحے قیمت حصہ اول للعہ دوم عہ

منیجر

مطبوعات جدیدہ

مکاتیب سنائی ۔ مرتبہ ڈاکٹر نذیر احمد صاحب، ضخامت ۹۶ صفحات، ٹائپ عمدہ، ناشر مسلم یونیورسٹی علی گڑھ، قیمت عہ۲

فارسی شاعری کے چوتھے دور کے شعراء میں حکیم سنائی کا نام سرفہرست آتا ہے، سنائی محض شاعر نہیں تھے، بلکہ علم وفضل اور حکمت ومعرفت سے بھی وہ بہرہ ور تھے، اسی لیے حکیم ان کے نام کا جزبن گیا، فارسی شاعری جس کا دائرہ ابتک رزمیہ اور مدحیہ قصیدوں تک محدود تھا، انھوں نے سب سے پہلے اخلاق وتصوف کے درد وسوز اور بادۂ حکمت ومعرفت سے آشنا کیا، اور اسی درد وسوز اور بادۂ معرفت نے آگے چل کر فارسی شاعری میں حافظ وسعدی کی غزل گوئی کا قالب اختیار کیا، انھوں نے نظم ونثر میں متعدد تصانیف چھوڑی ہیں، جن میں مثنوی حدیقۃ الحقیقت عام طور پر مشہور ہے، اس کے علاوہ ان کی متعدد مثنویاں ہیں، نثری یادگاروں میں ایک مکاتیب سنائی بھی ہے، ان کے مکاتیب کمیت کے لحاظ سے کچھ زیادہ نہیں ہیں، یعنی ان کی تعداد صرف ۱۰ ہے، مگر اپنی معنوی خوبیوں کی بنا پر قابل قدر ہیں، انھوں نے اپنے مکاتیب میں علما، صلحا، اور امراء وسلاطین سبھی کو مخاطب کیا ہے، مگر ہر جگہ اپنا حکیمانہ اور مصلحانہ انداز باقی رکھا ہے، زبان اس دور کے مذاق کے مطابق بڑی مرصع ہے اور ہر دو چار فقروں اور جملوں کے بعد آیات قرآنی اور احادیث نبوی سے استدلال کیا گیا ہے، ڈاکٹر نذیر احمد صاحب نے جو اس سے پہلے بھی کئی علمی وادبی آثار کو مرتب کرکے شائع کرچکے ہیں، ان مکاتیب کو مرتب کیا ہے، اور اس کے جتنے قلمی نسخے مل سکے ہیں ان سب کو

سامنے رکھکر انتہائی دیدہ ریزی سے اس کی تصحیح کی ہے، اور کئی سو صفحے کا قیمتی مقدمہ اور حاشیہ لکھا ہے،
اس کی اشاعت مسلم یونیورسٹی کی طرف سے ہوئی ہے اور اس کی طباعت کا خرچ شاہ ایران نے
برداشت کیا ہے۔ اس کی اشاعت ایک علمی خدمت بھی ہے اور اس سے ہند و ایران کے ثقافتی
تعلقات میں مزید اضافہ بھی ہوگا۔

الزینۃ۔ از ابو حاتم احمد بن حمدان الرازی، ضخامت ۱۱۲ صفحے، ناشر المعہد الہمدانی
للدراسات الاسلامیہ، قاہرہ۔

یہ چوتھی صدی کے ایک معروف عالم ابو حاتم الرازی متوفی ۳۲۲ھ کی تصنیف ہے،
قرآن و سنت میں جو ایسے الفاظ آئے ہیں جن کے اسلامی مفہوم سے عرب جاہلیت واقف
نہیں تھے یا عام طور پر ان الفاظ کو جن معانی میں استعمال کرتے تھے، ان سے وسیع معنی میں وہ
استعمال کیے گئے ہیں یا قرآن میں بعض عجمی الفاظ معرب ہو کر آئے ہیں، پھر بعثت نبوی کے بعد تفسیر و حدیث اور فقہ
و کلام کی مختلف اسلامی اصطلاحیں بنگئی ہیں، اس کتاب میں ان تمام الفاظ اور ان کے اصطلاحی اور اسلامی مفہوم اور لغوی
اشتقاقات وغیرہ کی وضاحت کرنے کی کوشش کی گئی ہے۔ مصنف کو عربی ادب اور اشعار پر
پوری قدرت ہے، اس لیے استدلال میں کثرت سے جاہلی اشعار نقل کرتا چلا جاتا ہے۔ یہ کتاب کی
پہلی جلد ہے، جس میں عربی زبان کی فضیلت، عربوں کی بلاغت، جاہلیت میں شاعری کا مرتبہ
اسلامی عہد میں عربی شاعری اور لغت قرآن اور لغت قریش وغیرہ موضوعات پر گفتگو کی گئی ہے،
آخر میں اسمائے حسنیٰ اور بسم اللہ کی لغوی اور نحوی تشریح ہے۔ اس کتاب کی بقیہ جلدیں ہمیں دستیاب
نہیں ہو سکی ہیں، لیکن اس سے اندازہ ہوتا ہے کہ یہ قدماء کی خدمات کا قابل قدر نمونہ ہے، مرتب نے
مصنف کے مسالک پر بھی بحث کی ہے، کتاب کے بیانات سے اس کا رجحان قدرے تشیع کی طرف معلوم ہوتا ہے،
مرتب نے کئی نسخوں کی مدد سے اس کی تصحیح کی ہے، شروع میں ایک طویل مقدمہ اور حواشی لکھے
ہیں جن سے ان کی محنت و تحقیق کا اندازہ ہوتا ہے۔

شاہ محمد غوث گوالیاری۔ از پروفیسر محمد مسعود احمد صاحب، صفحات ۱۹۴، ٹائپ عمدہ، پتہ
پروفیسر محمد مسعود صاحب ۲۲۶۲ 6/19 جمہور اہل لین، حیدرآباد (مغربی پاکستان) قیمت پاکستانی ۸؍

جن سلاسل تصوف کے ذریعہ ہندوستان میں اسلام کی اشاعت ہوئی ان میں ایک سلسلہ شطاریہ
بھی ہے، شاہ محمد غوث گوالیاری اس سلسلہ کے ایک معروف بزرگ ہیں، گو دوسرے سلسلوں میں بھی بیعت
تھے مگر ان کا طریقہ اصلاح شطاری تھا، ان کے ذریعہ یہ سلسلہ پورے ہندوستان میں پھیلا، انکی وفات
اکبرآباد میں اور تدفین گوالیار میں ہوئی، اکبر کے حکم سے ۱۱۲۱ھ میں گوالیار میں ان کا شاندار مقبرہ تعمیر ہوا،
بابر، ہمایوں، اکبر اور جہانگیر کو بھی ان سے عقیدت تھی، جہانگیر نے ان کا تذکرہ بڑی عقیدت سے کیا ہے،
اب تک اردو میں ان کے سوانح حیات اور تعلیمات پر کوئی جامع کتاب موجود نہیں تھی، پروفیسر محمد مسعود احمد صاحب
جن کو بزرگوں کے سوانح حیات اور تعلیمات سے بڑی دلچسپی ہے اور جن کے کئی تحقیقی مضامین اس موضوع پر معارف
میں شائع ہو چکے ہیں، انھوں نے پہلے شاہ محمد غوث کے حالات مضمون کی شکل میں لکھے، پھر اسی کو نظر ثانی
کے بعد اب کتابی شکل میں شائع کیا ہے، انھوں نے شیخ کے حالات، تعلیمات، علم و فضل کے سلسلہ میں تحقیق کا
پورا حق ادا کیا ہے، امید ہے کہ کتاب بڑے شوق سے پڑھی جائے گی، البتہ ان کی دعوت و اصلاح
کے واقعات کو ذرا اور پھیلا کر لکھنے کی ضرورت تھی۔

سرسید اور اصلاح معاشرہ۔ از شاہد حسین رزاقی، صفحات ۲۵۴، کتابت و طباعت متوسط، ناشر
ادارۂ ثقافت اسلامیہ لاہور، قیمت للعہ

ہندوستان میں مسلمانوں کے اسباب زوال میں ایک موثر سبب انکی معاشرتی خرابیاں بھی تھیں، یہ خرابیاں
یوں تو بہت پہلے سے موجود تھیں، مگر ۱۹۵۷ء کے انقلاب کے بعد انتہا کو پہنچ گئی تھیں، اس کا احساس بہت سے
علماء و صلحاء اور دوسرے مصلحین کو تھا اور انھوں نے اسکی اصلاح کی کوشش کی، سرسید احمد خاں مرحوم
نے بھی اپنے خاص نقطۂ نظر سے ان کو دور کرنے کی کوشش کی، اس کے لیے انھوں نے مضامین لکھے، کالج